وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے


| | | | |
|---|---|---|---|
| جلد 7 | شمارہ 02 | ربیع الاوّل 1434ھ | فروری 2013ء |


اہم تحریر صفحہ 7

ماھنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ


مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین و گرافکس: سعد حسن خان

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ



ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-76230863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | سورۃ المدثر | 3 |
| 2 | حرفِ آرزو | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 3 | ختم نبوت، آسمانی ہدایت، قتل انبیاء، جھوٹے مدعیانِ نبوت | انجینئر مختار فاروقی | 13 |
| 4 | مایوسی گمراہی ہے | شمس الحق اعوان | 17 |
| 5 | یورپ پر اسلام کے احسانات، سلسلہ وار 2 | | 34 |
| 6 | عمل پیہم کی تابناک مثال، قاضی حسین احمدؒ | حافظ انجینئر نوید احمد | 52 |
| 7 | تبصرہ وتعارفِ کتب | | 61 |


یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

# قرآن مجید

کے ساتھ

# چند لمحات

﴿سورۃ المدثر آیات 32-56﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کَلَّا وَ الْقَمَرِ O وَ الَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ O وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ O

ہاں (ہاں ہمیں) چاند کی قسم اور رات کی جب ڈھلنے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے

اِنَّھَا لَاِحْدَی الْکُبَرِ O نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ O

کہ یقیناً وہ (آگ) ایک بہت بڑی (آفت) ہے (اور) انسان کے لئے تنبیہ

لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ O

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہنا چاہے

کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَھِیْنَۃٌ O

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے

اِلَّا اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ O فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ O

مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ کہ) وہ باغہائے بہشت میں (ہوں گے اور)

پوچھتے ہوں گے (یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ O

کہ تم دوزخ میں کیوں جا پڑے؟

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ O وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ O

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ O

اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ O حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ O

اور ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ O

تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ O

ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ O فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ O

گویا گدھے ہیں کہ بدکے ہوئے (جیسے) شیر سے ڈر کر بھاگے ہیں

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً O

اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے

كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ O

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں

كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ O

کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد رکھے

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ O

اور یاد بھی تبھی رکھیں گے جب اللہ چاہے

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ O

وہی ڈرنے کے لائق اور بخشش کا مالک ہے

صدق اللّٰہ العظیم

# حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

ماہِ ربیع الاوّل ہمارے آقا وسیّد حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت اور وفات کا مہینہ ہے۔اس ماہ کے حوالے سے آپ ﷺ کا تذکرہ ہر خاص و عام بلکہ دوست و دشمن سب کی زبان پر آجاتا ہے۔اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ کا سچا اُمتی کبھی دن رات میں کوئی لمحہ آپ کے ذکر مبارک اور احسانات کے تذکرے سے خالی نہیں رہ سکتا اور نہ ہی آپ ﷺ کے دشمن اپنی ابلیسی کارروائیوں اور شیطانی ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں آج تک کسی دن یا رات اپنے مشن سے غافل رہے ہیں۔اس خیر و شر کی جنگ میں آپ ﷺ کی منفرد شان یعنی 'ختم نبوت کی شان' سب سے اہم محاذ اور میدانِ کارزار ہے۔

'ختم نبوت' کے عنوان کے کئی پہلو ہیں ایک فقہی اور قانونی پہلو ہے، جس پر علماء وصلحاء اُمت پہلے بھی کبھی غافل نہیں رہے اور برطانوی ہند کی عجمی نبوت کے مدعی قادیان کے انجمانی مرزا کے سامنے آنے کے بعد تو مسلسل برسرِ پیکار ہیں اور یہ پہلو عملی لحاظ سے کسی کو مسلمان یا کافر قرار دینے کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔اس اصطلاح کا دوسرا پہلو آپ ﷺ کی تعلیمات کا تکمیلی اور اِتمامی پہلو ہے جس کا تقاضا ہے کہ جیسے آپ ﷺ کے زمانے میں آپ کی لائی ہوئی تعلیمات 'الہدیٰ' اور 'دینِ حق' کا اظہار اور عملی غلبہ ہوا اسی طرح اب آپ ﷺ کی ختم نبوت کے اس پہلو کا تقاضا ہے کہ یہ اظہارِ دینِ حق اور عملی غلبہ عالمی سطح پر بھی ہو۔تاکہ آپ کی رحمت للعالمینی کی شان ظاہر ہو اور روئے

ارضی کے تمام انسان اسلام کے خیر و برکت والے اجتماعی نظام 'نظامِ عدلِ اجتماعی' کے محاسن کا بچشمِ سر مشاہدہ کریں اور یوں اُن پر اِتمامِ حجت بھی ہو جائے۔ خلافت کا یہ نظام (آپ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں) عالمی شان کے ساتھ قائم کرنے کی سعی و جہد اس پہلو کا تقاضا ہے۔ الحمدللہ کہ مسلمان اُمت اس پہلو سے بھی غافل نہیں ہے اور ہمارے ہاں کئی دینی جماعتیں اس ضمن میں صراحتاً مصروفِ عمل ہیں اور بعض دیگر انفرادی و اجتماعی مساعی اسی سمت میں کنایتاً اُمت مسلمہ کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ اس اصطلاحِ ختم نبوت کا تیسرا پہلو ـــــ آپ ﷺ کی تعلیمات کی حتمیّت اور اَبدیت کی شان کے ساتھ ساتھ سابقہ تمام آسمانی شرائع و ادیان کی تنسیخ اور ان کا حسین ترین نعم البدل ہونے کا اعلان بھی ہے۔ دشمنانِ اسلام بالخصوص بنی اسرائیل کا شریر گروہ (جو صہیونیت کے نام سے معروف ہے) کئی محاذوں پر سرگرم ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے نزدیک مغرب کے حالیہ چھ صد سالہ عروج میں تقابل ادیان اور مکالمہ بین المذاہب جیسے عنوانات ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کے اعلان 'تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا' کا مفہوم اور دائرہ کار اور ہے اور مکالمہ بین المذاہب (INTER-FAITH DIALOGUE) کی اصطلاح کا مغربی مفہوم بالکل شئے دِگر ہے۔

مغربی نقطہ نظر یہ ہے کہ تمام اَدیان کے لوگ مل بیٹھیں۔ آج کل ساری دنیا دہشت گردی اور بدامنی کا شکار ہے اور اس کی بڑی وجہ مذہبی منافرت اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ جبکہ سارے مذاہب کی تعلیمات میں خیر کے پہلو ہیں۔ آئیں مل بیٹھیں اور تمام مذاہب کی مشترکات کو لے لیں اور محاسن کو جمع کر لیں اس پر اتفاق کر لیں اور اس کا پرچار کریں تو دنیا میں مغرب کے صہیونی دماغوں کے مطابق 'امن' قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس محنت کا ثمر کیا ہوگا۔ مگر اس سوچ کے ساتھ پہلا قدم رکھنا ہی ـــــ مسلمانوں کے لئے ختم نبوت کا انکار اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے حتمی اور ابدی ہونے کا بھی انکار ہے۔ اس طرح اسلام صرف یکے از مذاہبِ عالم اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ یکے از پیغمبران اور یکے از بانیانِ مذاہب کے درجہ پر ہوں گے۔ جبکہ آپ ﷺ حقیقتاً سابقہ شرائع و ادیان سماوی کے بھی ناسخ میں کجا یہ کہ غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات۔

اس اشاعت میں اسی مدّعا کی وضاحت پر مشتمل ایک تحریر شامل ہے۔ اہل علم سے یہ درخواست بھی ہے کہ اس تحریر میں مجموعی طور پر کوئی سقم اور غلطی ہو تو ازراہِ کرم ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہماری اِصلاح ہو سکے۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا آمین

# ختم نبوت

## آسمانی ہدایت ___ قتل انبیاء ___ جھوٹے مدّعیانِ نبوت کے تناظر میں

انجینئر مختار فاروقی

آج کی مصروف دنیا میں معاشی وسماجی مصروفیات کی گہما گہمی کے باوجود ہر انسان اور ہر معاشرہ ایک نظریاتی تشخص کا حامل ہے۔ گزشتہ پانچ چھ صدیوں سے مغرب نے اپنی بالادستی کے جلو میں اگرچہ 'بے دینی' اور سیکولر سوچ کو فروغ دینے کا ہی کام کیا ہے اور اب مغرب اپنے عروج کے بعد زوال سے دوچار ہے۔ اہل نظر گزشتہ ایک صدی سے ہی مغربی افکار ونظریات اور تہذیبی زوال کی نشاندہی کر رہے تھے۔ علامہ اقبال نے مغرب کی چکاچوند ترقی کے باوصف نظریاتی بانجھ پن کی وجہ سے 'اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرنے' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپایدار ہوگا (بانگ درا)

مغرب میں برٹرینڈ رسل نے گزشتہ صدی میں پچاس کی دہائی میں 'مشرق کی پھر بیداری' کے نام سے تحریر لکھ کر مغربی زوال کی نشاندہی کی۔ امریکہ میں کوئی بیس برس پہلے END OF MANKIND & HISTORY نامی کتاب سامنے آئی جس میں ایک طرف تہذیب مغرب کے دورِ عروج میں اپنا سر اُونچا کرنے کا زعم تھا تو دوسری طرف اس تہذیب میں فکری SATURATION کی نشاندہی بھی تھی۔ تہذیب حاضر کی لادینیت (SECULARISM)،

اباحیت(LIBERALISM) اور روشن خیالی کے باوجود ـــــــ آج کا مغرب کبھی مذہب سے کلیتہً جان نہیں چھڑا سکا۔ چنانچہ سارا یورپ، امریکہ اور مغربی دنیا باہمی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف متحد ہے (جیسے نیٹو اتحاد) اور مسیحی کہلاتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگوں کو 'صلیبی جنگیں' ہی کہا جاتا ہے۔

بھارت اور چین بھی مذہب سے وابستگی کو اپنے عوام کے قلب و ذہن سے کلیتہً صاف نہیں کر سکے۔ گویا ہر ملک، تہذیب اور معاشرہ اپنے تاریخی ورثہ اور ثقافتی خزانہ میں مذہب اور آسمانی ہدایت کا ایک روشن باب محفوظ رکھے ہوئے ہیں 'مذہب' کو آسمانی ہدایت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور آسمانی ہدایت کے تصور کو انبیاء کرام f سے علیحدہ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا گویا آج بھی انسانیت کے نزدیک آسمانی ہدایت یا نبوت (PROPHETHOOD) ایک حقیقت ہے اور زندہ جاوید نظریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

## تاریخ انسانی اور مذہب

تاریخ انسانی میں مذہب اور مذہبی روایات کے تسلسل سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس پہلو سے انسانی یادداشت میں ہزار ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ ابھی 'کل' کی بات لگتی ہے۔ یہود ـــــــ چار ہزار سالہ روایات کے امین ہیں۔ عیسائی دو ہزار سالہ تاریخ (TWO MILLENNIUMS) کے علمبردار ہیں۔ ہندو چار ہزار سال سے بھی زائد پرانی اقدار کے وارث ہیں۔ مسلمان حضرت محمد ﷺ کے پیروکار ہیں جو آج (1434ھ) سے صرف پندرہ صدیاں پہلے کی ایک حقیقی شخصیت ہیں۔

## آسمانی وحی ـــــ اور انبیاء کرام f

حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو خالق کائنات ہے) نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور ان کے لئے زندگی گزارنے کی رہنمائی کا ایک حصہ اس کی فطرت (دل) میں رکھ دیا اور ایک حصہ وقت کے ساتھ ساتھ پیغمبر بھیج کر اتارا ہے جیسے جیسے انسان نے رہنے سہنے کے انداز سیکھے اور ضرورت کا احساس ہوا اللہ تعالیٰ نے رہنمائی اتار دی۔ انسانوں کے مل جل کر رہنے کے طریقوں میں ایسا

طرزِعمل کہ دوسرے کی حق تلفی نہ ہو، ظلم نہ ہو، زیادتی نہ ہو بلکہ حقوق متعین کردیے ہر انسان اپنے حقوق کے لئے تگ ودو کرے اوران پر قانع رہے۔ اپنے فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔

جب انسان غاروں میں رہتا تھا اس وقت یہ ـــــ تعلیمات اور رہنمائی بڑی سادہ تھی اور اس کا بڑا حصہ صرف ذاتی حیثیت میں اپنے رب سے لولگانا اور اس کا حکم ماننا تھا پھر انسانوں نے مل جل کر رہنا شروع کیا تو بستیاں اور شہر بنے۔ کنبے سے برادری قبیلے اور معاشرے وجود میں آئے۔ اسی میں تسلسل سے تہذیب وثقافت نے جنم لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انسانیت کے لئے اس تاریخی سفر میں ہر مرحلے کے عین مطابق اور انسان کے مزاج اور ضرورت کے تحت ہی آسمانی ہدایت اتاری۔

## انبیاء کرام f کا طرزِعمل

انبیاء کرام f اپنی ذات اور کردار میں نہایت پاکیزہ صفت اور اُونچے کردار کے لوگ تھے۔ سب اعلیٰ انسانی اوصاف کے حامل تھے اور گندے، بے حیا اور گرے ہوئے طور طریقوں سے دُور تھے جو ہدایت وہ لے کر دوسروں تک پہنچے اس پر خود بھی عمل کرتے تھے خود کو بھی اللہ کا ایک بندہ سمجھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی طرح اپنے رب کی بندگی ہی کی دعوت دیتے تھے۔ ان مقدّس ہستیوں نے یہ تعلیمات اور ہدایت زبان سے بھی پہنچائیں اور عمل سے بھی۔ پہلے خود عمل کر کے دکھایا پھر دوسروں سے توقع کی، بلکہ خود 'کلو' بھر عمل کیا تو دوسروں سے چوتھائی کلو عمل کا مطالبہ کیا۔

## انسانیت ـــــ عہد طفولیت سے بلوغت (MATURITY) کی طرف

تاریخ انسانی کے علماء اور اجتماعیات کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ انسان اجتماعی طور پر (COLLECTIVELY) اسی طرح آگے بڑھا ہے جیسے ایک انسانی بچہ عہد طفولیت سے بچپن، لڑکپن، جوانی اور بھرپور جسمانی اور ذہنی بلوغت کو پہنچتا ہے۔

اسی اُصول کے تحت تاریخ انسانی میں ـــــ انبیاء کرام f کی تشریف آوری اور آسمانی ہدایت کے نزول میں بھی کئی واضح مراحل آئے ہیں اور ان مراحل میں اللہ تعالیٰ ـــــ جو زندہ ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رؤف ہے، رحیم ہے، عزیز ہے اور حکیم ہے ـــــ اس

نے انسانی میلانات اور تہذیبی مراحل کی ضرورت کے عین مطابق ہدایت اتاری ہے۔

## ہدایت ___ بھی دیگر انسانی ضروریات کی طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے

ہم عام زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان زندگی کے جس مرحلے میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے مطابق اسباب مہیا فرما کر اس کے لئے ضرورت کی تکمیل کا سامان کر دیتے ہیں۔ انسان جب پنگھوڑے میں مجبور محض ایک بچہ ہوتا ہے کہ اپنی ضروریات کو فراہم کرنا تو درکنار ان کا شعور بھی نہیں رکھتا ـــــ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کے والد اور والدہ کے دل میں اس کے لئے شفقت و رحمت ڈال دی کہ کم از کم کوئی انسان تو اس کی نگہداشت اور ضروریات کی فراہمی کی فکر کرے۔ پھر بچپن اور لڑکپن کی ضروریات ہیں۔ خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، علاج معالجہ کے لئے اسباب ایک خاص ترتیب سے فراہم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری ضرورت ہدایت کے بھی اسباب جمع فرمائے ہیں۔ خوراک، لباس اور رہائش کی طرح زندگی گزارنے کے طریقے اور خوراک و لباس اور باہمی رویوں کے بارے میں مجرّد حالات کے رحم و کرم پر آزاد نہیں چھوڑا بلکہ ہدایت بھیجی ہے۔

یہ ہدایت انسانی ضرورت ہے اور یہ ضرورت ایک اجتماعی ضرورت ہے مگر یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان انفرادی کوشش اور سوچ بچار سے تو کیا اجتماعی اور حکومتی سطح پر بھی اسباب جمع کر کے خود ہدایت اخذ نہیں کر سکتا۔ کھانے پینے، لباس، رہن سہن، رشتوں اور شرم و حیا کے تقاضوں میں انسان خود کوئی لکیر نہیں کھینچ سکتا کہ یہ جائز اور یہ ناجائز ہے۔ انسان نے حرص لالچ اور سہولت کے پیش نظر ایسے موقع پر اپنے فیصلوں میں ہمیشہ دھوکا ہی نہیں کھایا بلکہ کمینگی کی حد تک انسانیت سے بھی گرا ہے کہ بسا اوقات وہ اپنے شرفِ انسانی کا بھی خیال نہیں رکھ سکا اور حیوانوں سے بھی بدتر بن گیا ہے۔

مثلاً کھانے پینے کے معاملات میں انسان نے اپنی عقل سے سوچا ـــ آسمانی ہدایت یا میسر نہیں تھی یا توجہ نہیں کی اور انکار کیا ـــ تو انسان نے اپنی گندگی اور پیشاب کو بھی کھانے پینے کے لئے منتخب کر لیا اور فخریہ ایسا کرتا ہے۔ آج بھی بھارت امریکہ اور مشرق و مغرب کے وہ ممالک جہاں مذہب سے عملاً دوری ہے یہ عادت جاری ہے۔ گائے کا پیشاب پینا، بلکہ اس کو پاکیزہ ترین

سمجھنا 'ہندومت' کی تعلیمات ہیں۔ جانوروں تک کی گندگی اور پیشاب سے انسانی مشروبات کا کام لینا ـــــــ انسانی عقل کے کامل نہ ہونے ہی کی ایک دلیل ہے۔

لباس کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔عورت اور مرد کا ناگزیر لباس کیا ہو؟ انسان نے اپنی خودغرضی، کھیل تماشا اور عیاشی کے نقطہ نظر سے بہانے بنائے ہیں اور اکثر بے لباسی اور عریانی کو ایک اخلاقی قدر اور اعلیٰ انسانی کردار سے تعبیر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد میں تخلیقی اور جبلّی طور پر نسل انسانی کے تسلسل کے لئے افزائش نسل کے طور طریقے رکھے ہیں (جیسے جانوروں میں ہیں۔ جانور فطری داعیات کا غلط استعمال نہیں کرتے مگر انسان اشرف المخلوقات ہوکر بھی جب 'غلط کاریوں' پر اُترتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے)۔انسانوں میں باپ دادا اور ماں بہن کا تصور اور ان کا درجہ بدرجہ احترام مثبت قدریں ہیں۔ پھر انسانوں کو عقل اور ضمیر دیا ہے اور دنیا میں معاشرتی اور تہذیبی ترقی کے لئے معاشرہ، حکومت، ریاست، صلح و جنگ اور اخلاق کے میدان میں ہدایت اور رہنمائی بخشی ہے۔اسی لئے جانوروں سے کہیں اُوپر انسانوں میں رشتوں کی تمیز اور لباس کا تصور دیا ہے۔

انسانوں نے جب کسی ایک سمت میں بھی آسمانی ہدایت کو نظرانداز کیا ہے اور خود 'فیصلے' کئے ہیں تو عموماً عریانیت بے لباسی، بے حیائی اور حیوانیت ہی نے فروغ پایا ہے اور بالفاظِ دیگر ـــــــ انسان ـــــــ حیوانوں کی سطح تک گر گیا ہے بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوگیا ہے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (07-179)

''اور ہم نے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں جن کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں (ایسے جن اور انسان) جہنم کے لیے ہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوتے.....''

انسان غور کرے تو یہ احساس یقین میں بدلتا محسوس ہوتا ہے کہ انسان ـــــ ایک صحیح انسان بننے کے لیے آسمانی ہدایت کا محتاج ہے۔

انبیائے کرام کی ضرورت کا احساس یہاں شروع سے ہوتا ہے اور اس ہدایت کو تلاش کرنا ہر ذی شعور اور باکردار انسان کا مطمع نظر ٹھہرتا ہے اس کے لیے انسان تکلیفیں اُٹھاتا ہے سفر کرتا ہے صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور بالآخر یہ 'متاعِ عزیز' پاکر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس ہدایت پر عمل کا مرحلہ آتا ہے تو ـــــ یہاں بھی ہر معقول انسان یہی نتیجہ نکالے گا کہ اتنی محنت اور سعی سے حاصل شدہ اس ہدایت کو صرف پالینا ہی 'مقصودِ حیات' نہیں ہے بلکہ اس ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینا اصل کمال ہے اور کردار کی بلندی ہے۔ پھر اس پر اکتفا نہیں بلکہ حالات کے مطابق اس ہدایت کو اپنے گردوپیش دوسرے 'محروم ہدایت' لوگوں تک پہنچانا بھی ایک فرض ہے۔ ہدایت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی اصلاً انسانی ہمدردی، انسانی بھائی چارہ اور انسانی بہبود کا تقاضا ہے اور انسان اگر ـــــ 'حیوان' نہیں بن گیا تو ـــــ اس مرحلہ پر بھی وہ

دامے، درمے، سخنے، جانے، قلمے اور دماغے

آگے بڑھتا ہے اور ہر صلاحیت جو میسر ہے وہ اس راہ میں داؤ پر لگا کر یہ کام کرتا ہے۔

## آسمانی ہدایت ـــ اولادِ آدم کے تہذیبی ارتقاء کی تکمیل تک ناگزیر تھی

تاریخ انسانی میں تہذیب وتمدن اور شہریت وحضارت کے پہلو پر غور کریں تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جب انسان نے اجتماعی طور پر عہد طفولیت سے اُٹھ کر ـــــ بچپن لڑکپن اور جوانی کے بعد پختگی کے مراحل طے کئے ہیں تو اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جس قوم اور تہذیب نے ماضی میں کسی وقت میں آسمانی ہدایت کو قبول کیا اور مقصدِ وجود کو پورا کرنے کے تقاضے سمجھے ـــــ وہ تہذیبی سفر کی درمیانی ایک کڑی تھی۔ اپنے خاص عہد میں وہ 'اُمت' دوسرے انسانی گروہوں سے ممتاز ہوئی اور اپنے ربّ کے قریب ہوگئی اور اس کے افراد انفرادی طور پر اپنی اپنی محنت اور خلوص کے مطابق بارگاہِ خداوندی میں 'مقرب' کہلائے مگر یہ مرحلہ اس تہذیبی سفر کی تکمیل تک ایک درمیانی مرحلہ ہی تھا۔

ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں تو انسانیت کے عہد طفولیت ولڑکپن میں کسی نبی d کی

تشریف آوری اوراس کی تعلیمات کا فروغ نسل انسانی کی ایک خاص طرح کی تربیت اور تیاری تھی کہ وہ قوم یا 'اُمت' 'ہدایت' یا آسمانی باپ کی مرضی اور منشا کے 'صراطِ مستقیم' پر اگلے مرحلہ کے لئے ذہناً آمادہ ہوجائے اور مزید آسمانی ہدایت کی 'پیاس' اور ضرورت محسوس کرنے لگے۔اس کے قلب و دماغ میں ایک طرح کی طلب اور جستجو پیدا ہو۔تاکہ مجموعی طور پر افراد کا یہ خاص مجموعہ (اُمت) جب اگلے نبی d کی آمد پر آسمانی ہدایت کا اگلا سبق سامنے پائے تو لپک کر اس کو قبول کرلے۔

## بچے کی جسمانی تربیت ماں کے ذریعے اور نسل انسانی کی اخلاقی تربیت حضراتِ انبیاء f کے ذریعے ہوئی ہے

'مہد' یعنی پنگھوڑے سے لے کر ایک دانا و بینا بالغ انسان بننے تک کے مراحل انفرادی سطح پر 'ماں' اور والدین کے ذریعے اور اجتماعی سطح پر نسل انسانی نے اپنے تہذیبی سفر کے ارتقائی مراحل حضراتِ انبیاء کرام f کی رہنمائی و نگہداشت میں طے کئے ہیں۔انسانوں کی جو آبادی یا معاشرہ انبیاء کی تعلیمات سے بوجوہ محروم رہا وہ صدیوں کے تجرباتی علوم کی پیش رفت اور علم الحواس کی وسعت کے باوصف 'اجڈ' گنوار اور وحشی ہی رہے جس کے برعکس آسمانی ہدایت کی تجلیات اور انوارِ نبوت سے فیض یافتہ انسانی معاشرے تہذیب، تمدن، علم، اخلاق، کردار اور جہاں بانی میں 'وحشی' معاشروں سے بہت آگے نکل گئے۔ایک طرف یونانیوں اور رومیوں کی بربریت اور دوسری طرف قدیم تاریخ میں بنی اسرائیل کی علمی اور تہذیبی برتری میں حضرت داؤد اور سلیمان e کے ادوار اس کی ناقابل تردید مثالیں ہیں۔

## عقل انسانی کا کمال ___ تمام انبیاء f کو تسلیم کرنا

خالق ارض وسماء نے تخلیق انسانی میں جسمانی اعضاء کے علاوہ عقل، دماغ، دل، ضمیر اور روح بھی خاص مقاصد (FUNCTIONS) کے لئے بنائے ہیں۔ان اعلیٰ مقاصد میں سے ایک اہم مقصد (FUNCTION) اپنے لئے 'اچھے' یا 'برے' کی پہچان ہے۔انسان انفرادی طور پر عقل، دماغ، دل، ضمیر اور روح کو استعمال کر کے یہی فیصلے کرتا ہے اور اجتماعی سطح پر یوں سمجھئے کہ ہر معاشرہ اور ہر قوم (یا اجتماعیت) کا ایک اجتماعی (COLLECTIVE) ضمیر، دل اور دماغ ہوتا ہے۔

اس بات کا شعور ہر معاشرے میں رہا ہے اور انفرادی سطح پر ہر انسان کو بھی یہ 'خودشعوری' اور 'آگہی' کا احساس کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہے کہ وہ سامنے آنے والے حالات و واقعات میں اپنے لئے نفع بخش اقدامات کرے اور نقصان وخسارے سے بچنے کی تدابیر کرے۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر بعض اوقات یہ فیصلے صحیح ہوتے ہیں اور بعض اُوقات انسان 'فیصلہ' کرتے ہوئے غلطیاں کرتا ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ کسی 'شر' کو اختیار کر لیتا ہے اور کسی 'خیر' سے اپنے آپ کو محروم کر لیتا ہے۔ غلط فیصلوں کے احساس کے بعد زندگی میں 'توبہ' اور اصلاح (RECTIFICATION) کے مواقع میسر آتے ہیں مگر انسان داخلی اور خارجی لحاظ سے کسی دباؤ یا غلط خواہش کی تکمیل کیلئے مسلسل غلط فیصلے کرتا چلا جائے تو انسان کی قوت فیصلہ 'کند' ہو جاتی ہے۔

اجتماعی سطح پر عقل صحیح اور قلب مسلم کا تقاضا تو یہ تھا کہ تاریخ میں ایک نبی d کے ماننے والے ہر آنے والے نبی d کو تسلیم کرتے اور اس کی تعلیمات کو خوش آمدید کہتے اور یوں انسان علمی وفکری لغزشوں سے بچتے ہوئے 'ہدایت' کی راہ پر گامزن رہے۔ مگر خودغرضی، خود پسندی، جھوٹی اَنا، اور سفلی خواہشات کی تکمیل کی خواہش نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر غلط روش اپنائی ہے اور کتنی قومیں اور 'اُمتیں' ایسی آئیں ـــــ جن کی طرف آسمانی ہدایت آئی۔ اس سے اُنہوں نے استفادہ کیا دنیا میں نیک نامی پائی مگر جب کچھ عرصے بعد دوسرے نبی d تشریف لائے تو اس قوم یا 'اُمت' نے آنے والے 'نبی' کا انکار کر دیا۔ عقلی اور اخلاقی طور پر یہ فیصلہ اور روّیہ غلط تھا مگر نصیحت کے باوجود یہ لوگ اپنی غلطی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور گمراہیوں میں پڑ کر ہدایت سے پہلے جیسے وحشی پن اور حیوانیت کی طرف لوٹ گئے۔

## تمام نبیوں ( f ) پر ایمان ہی اصل ایمان ہے

ختم نبوت سے پہلے کسی خاص نبی d کے ماننے والوں کی طرف سے بعد میں آنے والے نبی کا انکار کر کے کئی قومیں اور 'اُمتیں' گمراہ ہوگئیں مگر غلطی کا احساس نہ کرنے کی وجہ سے ایک 'زعم' میں اپنے آپ کو 'ہدایت یافتہ' سمجھتی رہیں۔ حالانکہ وہ صراطِ مستقیم' سے کوسوں دور ہوگئی تھیں۔

جب کہ ـــــ بہت قلیل تعداد میں ایسے خوش بخت صحیح العقل اور سلیم الفطرت لوگ گزرے ہیں جنہوں نے ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد ـــــ دوسرے آنے والے نبی کو بھی

تسلیم کیا ہے خود نہیں تو ان کی اولادوں نے تسلیم کیا یہ سب لوگ فخر انسانیت ہیں۔ حقیقتاً یہی لوگ سچے ایمان کے حامل تھے اور ان کی زندگیاں حقیقی اہل ایمان کی زندگی کا نمونہ تھیں۔

## آسمانی ہدایت ___ اور ___ ختم نبوت

آسمانی ہدایت انسان کی ضرورت تھی اور خالق ارض وسماء کا احسان اور رحمت۔ اس ہدایت کو لانے والے حضرات 'نبی' اور انبیاء کہلائے۔ انسانیت ایسی سعید روحوں کو اپنا حقیقی محسن سمجھتی آئی ہے۔ اولادِ آدم میں انسانیت پھیلی اور انسان روئے ارضی پر پھیل گئے۔ تاہم جلد ہی انسان کو موسموں کی شدت، خارجی حالات کا ناموزوں ہونا اور وسائل رزق کی فراہمی کی فکر نے ایسے علاقوں میں بسنے پر مجبور کر دیا جہاں رات دن کا احساس، معتدل موسم اور وسائل رزق کی فراوانی تھی۔ یہ علاقے جنوبی ایشیا، ایران، افغانستان، مشرقِ وسطیٰ جزیرۂ نمائے عرب، شمالی افریقہ ایشیائی ترکستان جنوب مشرقی یورپ اور چین تھے۔ ابتداء میں یہیں انسانی معاشروں نے جنم لیا اور اجتماعی زندگی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ انسانی ضروریات کی فراہمی میں دریا، جھیلیں اور سمندر کے کنارے ہی آبادی کے لئے موزوں سمجھے گئے تمام پرانی انسانی تہذیبی اور تمدن اسی علاقے میں پروان چڑھے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت نازل فرمائی۔ آغاز میں وسائل آمد و رفت نہیں تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک عرصے تک (حضرت آدم d) کے چار پانچ ہزار سال بعد تک انسانی آبادیوں میں الگ الگ نبی بھیجے۔ ایک ایک علاقے میں بھی یکے بعد دیگرے کئی نبی تسلسل سے آتے رہے قوموں نے انکار کیا تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اہل ایمان کو بچا لیا گیا اور تمام نافرمان لوگ تباہ کر دیے گئے۔

آسمانی ہدایت کے لانے والے فرشتہ صفت، اعلیٰ کردار کے انسانوں کو نبی کہا گیا۔ انہیں میں سے ایک خاص تعداد کو رسول بنایا گیا۔ مشہور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے جن میں سے 313 کو رسول کا درجہ عطا فرمایا۔ بعض اوقات شریر لوگوں نے نبیوں کی بات نہیں مانی اور جھوٹی اَنا کی خاطر نبیوں کو قتل بھی کر دیا جبکہ رسول جو واضح اجتماعی احکام اور شریعت لے کر آتے رہے، بڑی شان والے ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا تھا،

قوموں نے انکار کیا اور ان رسولوں کو بھی 'پکڑنے' کی کوشش کی مگر مادی قوانین فطرت کو توڑ کر ـــــ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اپنے رسولوں کو محفوظ رکھا اور کافر قومیں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ معجزہ کائنات میں جاری قوانین فطرت کو روک کر خاص عمل کا نام ہے جسے DIVINE INTERVENTION بھی کہا جاسکتا ہے۔ حضرت نوح d کے بعد زیادہ تر انبیاء کرام f اسی متمدن دنیا میں آئے ان میں سے قومِ عاد (یمن) قومِ ثمود (پیڑا کی تہذیب عرب، اُردن وغیرہ) قومِ لوط d (اُردن مشرقِ وسطیٰ) اور قومِ شعیب d (فلسطین) میں تھیں۔ قرآن پاک میں ان قوموں کی طرف بھیجے گئے پیغمبر ـــــ حضرت ہود d، حضرت صالح d، حضرت لوط d اور حضرت شعیب d کا تذکرہ تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت موسیٰ d مصر میں تھے جہاں فرعون بادشاہ تھے جنہوں نے اہرام تعمیر کیے تھے۔ مگر ہدایت قبول نہ کرنے پر فرعونِ وقت کو لشکر سمیت غرقِ آب کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم d کا زمانہ آج سے 4000 سال قبل کا ہے (2000 ق م)۔ آپ ملک عراق میں تھے۔ ماضی کی بہ نسبت وسائل آمد و رفت اور معلومات بہتر تھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد ایک قوم میں مسلسل ہدایت بھیج کر 'حزب اللہ' یعنی اللہ کی جماعت یا اللہ کی پارٹی تشکیل دی۔ حضرت ابراہیم d کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور کتاب مختص کر دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ جَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الۡكِتٰبَ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ (57-26)

''اور ہم نے نوح (d) اور ابراہیم (d) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلہ) کو وقتاً فوقتاً جاری رکھا تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں خارج از اطاعت ہیں۔''

حضرت ابراہیم d نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل d کو مکے میں آباد کیا جہاں کعبہ تعمیر ہوا اور چاہِ زمزم جاری ہوا۔ چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق d کو اُنہوں نے فلسطین میں آباد کیا۔ جن کی اولاد میں ہزاروں نبی تشریف لائے۔ تا آنکہ حضرت عیسیٰ d مبعوث

ہوئے۔حضرت اسحاق d کے بیٹے حضرت یعقوب d اپنے 12 بیٹوں سمیت مصر میں حضرت یوسف d کے حکمران بننے پر وہاں منتقل ہوگئے بعد میں حکومت کے خاتمے پر حضرت یعقوب d کی اولاد (بنی اسرائیل) غلام بنالیے گئے۔کئی صدیاں یہ مخلص بنی اسرائیلی غلامی کاٹتے رہے حضرت موسیٰ d تشریف لائے تو 1300 ق م میں انہیں مصر سے آزاد کرا کے فلسطین کی طرف لوٹے۔پھر حضرت داؤد d اور حضرت سلیمان d کی بادشاہتیں قائم ہوئیں۔مگر بنی اسرائیل کا غالب عنصر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اتر آیا اور اُنہوں نے غلط کام کیے۔جادو سیکھا اور آسمانی ہدایت سے روگردانی کی۔ان کی طرف مسلسل کئی پیغمبر آتے رہے مگر اُنہوں نے اپنی غلط کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے انبیاء کرام f کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَاتَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ O وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ O وَلَمَّا جَاءَ ھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَ ھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ O (02--89-87)

''اور ہم نے موسیٰ ( d ) کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم ( d ) کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل) سے ان کو مدد دی۔تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور (انبیاء کے) ایک گروہ کو تم جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ)

کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے، تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ کی لعنت۔''

## قتل انبیاء f کے جرم کی وجہ سے بنی اسرائیل 'مغضوبِ علیہم' قرار پائے

بنی اسرائیل نے اس بری عادت یعنی قتل انبیاء f کے تحت حضرت عیسیٰ d کو بھی سولی چڑھانا چاہا مگر وہ رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔ یہی گروہ بعد میں مدینہ آیا۔ تورات انجیل کی واضح پیشین گوئیوں کی روشنی میں وہ سمجھتے تھے کہ آخری نبی بھی اولادِ ابراہیم میں آئے گا۔ انہوں نے حضرت اسحاق d کو حضرت ابراہیم d کا بڑا (یا اکلوتا) بیٹا ہونے کا عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو اولادِ ابراہیم کی دوسری شاخ حضرت اسماعیل d کی اولاد میں بھیج دیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا مگر بنی اسرائیل ایمان نہ لائے کہ یہ پیغمبر اولادِ اسماعیل میں سے کیوں ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو مکمل کر کے ختم کر دیا اور اس کے بعد قیامت تک وحی نبوت اور آسمانی ہدایت کا باب بند ہو گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (05-03)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (33-40)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کر دینے والے ہیں) اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

## ختم نبوت کے تین اہم پہلو

ختم نبوت یعنی حضرت آدم سے شروع ہونے والے سلسلہ نزولِ وحی اور آسمانی ہدایت

کا منقطع ہوجانا تاریخ انسانی کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے ایک 'نبأ عظیم' یعنی 'بہت بڑی خبر' سے کم نہیں ہے۔

اس ہمہ گیر واقعے کے کئی پہلو ہیں۔ ہم یہاں اس اہم واقعے اور اس اہم اصطلاح کے تین پہلوؤں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

## 1 ختم نبوّت کا فقہی وقانونی پہلو

قرآن مجید کے دلائل اور احادیث وآثار کے ناقابل تردید شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ

☆ حضرت آدم علیہ السلام روح وجسد کے ساتھ پہلے انسان اور پہلے نبی تھے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلہ نبوت شروع ہوا ہے اور حضرت محمد ﷺ پر آ کر ختم ہوا ہے۔

☆ ان مقدس ہستیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے 313 رسول تھے۔

☆ ان میں سے کچھ پیغمبروں کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں اور کچھ کے احادیث صحیحہ میں۔ ان کو ہم نام بنام پیغمبر مانتے ہیں باقی پیغمبروں کو علی الاطلاق عموم کے درجے میں بلاتعیّن۔ جو نام اور تفاصیل موجودہ (محرف) توراۃ اور انجیل میں آئے ہیں۔ ان معلومات کا درجہ عام تاریخی معلومات سے اونچا ہے اور یہ حضرات بھی قابل لحاظ ہیں۔ ہندوؤں اور دیگر مذاہب میں بھی اسی طرح کے چند نام ہیں۔ ان کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ ان میں سے اکثر کو ہندوؤں اور بدھ مت وغیرہ کے پیروکاروں نے 'خدا' کا درجہ دے رکھا ہے۔ ہاں قرآن مجید کے بیان سورۂ مائدہ آیت 108 کے مطابق ہم ان کا تذکرہ محتاط الفاظ میں ہی کریں گے۔

☆ ہر نبی کی ایک اُمت دعوت تھی اور ایک اُمت استجابت۔

☆ اُمت استجابت یعنی سابقہ اُمتوں اور دیگر انسانوں میں سے جو لوگ اس پیغمبر پر ایمان لے آئے۔

☆ ہر دور میں اپنے وقت کے نبی پر ایمان لانے والے مسلمان کہلاتے تھے اور بعد میں آنے والے نبی علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والے اپنے لئے 'مسلمان' کے علاوہ اور نام تجویز کر لیتے تھے۔ صابی، یہود، نصاریٰ اسی طرح کے نام ہیں۔

☆ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اب آپ پر ایمان رکھنے والے ہی صرف مسلمان ہیں اور اُمت استجابت ہیں اور ختم نبوت کے اعلان کے بعد آپ ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد پیدا ہونے والے تمام مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکار و ہمدرد سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور اُمت مسلمہ کے اجتماعی عقیدہ کے مطابق کافر ہیں۔

'ختم نبوت' کا فقہی و قانونی پہلو یہی ہے کہ آپ ﷺ پر ختم نبوت ہوگئی لہٰذا اس شرف اور اس حقیقت کا انکار کفر ہے اور آپ ﷺ کے دور سے مسلم اور غیر مسلم میں موجود کئی امتیازات میں سے ایک آپ ﷺ کی ختم نبوت کی شان کا انکار بھی ہے۔

عملی اور قانونی معاملات میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور علماء کے ہاں اس پہلو سے اس پر بہت زور ہے۔ قرآن مجید میں نبوت کے 'ختم' ہونے کا تذکرہ ہے اور آپ ﷺ کو 'خاتم النّبیین' کی شان عطا ہوئی ہے۔

اُوپر ہم دیکھ آئے ہیں کہ نبی کا لفظ عام ہے اور رسول کا لفظ خاص ہے یعنی انبیاء میں سے ہی کچھ کو رسول کا درجہ عطا فرمایا گیا۔ لہٰذا بڑی منطقی بات ہے کہ نبوت کے 'ختم' ہونے سے رسالت بھی ختم ہوگئی نہ کوئی نبی مبعوث ہوگا اور نہ رسالت کا امکان رہے گا اس طرح آپ ﷺ خاتم النّبیین کے ساتھ خاتم المرسلین بھی ٹھہرے۔ ذالك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم

ختم نبوت کا فقہی و قانونی پہلو 'ختم' کے ایک مفہوم کو ظاہر کرتا ہے جیسے ہمارے ہاں بھی مستعمل ہے کہ 'آٹا' ختم ہوگیا، رقم ختم ہوگئی یعنی پہلے ایک چیز موجود تھی اب نہیں ہے۔

## 2. ختم نبوّت سے مراد آسمانی ہدایت کی تکمیل اور اتمامی شان کا ظہور

ختم نبوت کی اصطلاح میں 'ختم' کے دوسرے معنی اور استعمال کسی چیز کی تکمیل اور اتمام کے لئے ہے۔ اہل علم اور کتابوں کی دنیا سے ربط و ضبط رکھنے والے جانتے ہیں کہ کئی کتابوں کے آخر میں 'تمت بالخیر' کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ یا کسی تحریر کے آخر میں 'ختم شد' کے الفاظ آتے ہیں۔ اس معنی میں 'ختم' کے معنی کسی چیز کا مکمل ہونا ہے۔ عام استعمال کا لفظ ہے 'کام ختم ہوگیا' کے معانی کام مکمل ہوگیا۔

'نبوت' اور رسالت کے ساتھ 'ختم' کے لفظ کے استعمال سے یہاں سے یہ مفہوم اخذ

ہوتا ہے کہ شانِ نبوت، شانِ رسالت اور آسمانی وحی حضرت آدم d سے شروع ہوکر درجہ بدرجہ اعلیٰ اور اہم مراتب کے مراحل طے کر کے اب آپ ﷺ پر مکمل ہوگئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی بہترین مخلوق ـــــ انسان کے لئے جتنی ہدایت ضروری تھی وہ اجتماعی طور پر عہد طفولیت سے لے کر بھرپور جوانی کی عمر تک اعلیٰ درجے میں اتار کر (اب مزید ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے) یہ سلسلہ روک دیا ہے۔ جیسے بچے کو چلنا سکھاتے ہیں تو ایک مدت تک انگلی پکڑ کر چلاتے ہیں پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجاتا ہے۔ جوان بیٹے کو کاروبار میں لگاتے ہیں ایک مدت تک والد (یا سرپرست) قدم قدم پر سمجھاتے ہیں۔ ایک مخصوص مدت کے بعد اس کو کبھی کبھی مشورہ دیتے ہیں اور پھر وہ اس تعلیم و ہدایت کی روشنی میں خود آگے بڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

اس معنیٰ میں حضرت آدم d سے لے کر حضرت نوح d، حضرت ہود d، حضرت صالح d، حضرت ابراہیم d، حضرت لوط d، حضرت شعیب d، حضرت یوسف d، حضرت موسیٰ d، حضرت داؤد d اور حضرت عیسیٰ d وغیرھم کے ذریعے کئی درجات عالیہ طے کرتے کرتے آسمانی ہدایت اب حضرت محمد ﷺ پر آکر مکمل ہوگئی۔ یعنی آپ ﷺ کامل ترین نبی اور مکمل ترین رسول ہیں اور چونکہ تمام انبیاء ورسل آسمانی ہدایت کو دوسروں تک بھی پہنچاتے تھے اور خود بھی بدرجہ کمال اس پر پہلے خود عمل کرتے تھے لہٰذا آپ ﷺ کامل ترین اور اکمل ترین انسان بھی ہیں۔ اور شیخ سعدی m کے الفاظ میں

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بھی میں اور صحابیِ رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت h کے الہامی الفاظ میں 'وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ'[1] کی شان کے حامل بھی ہیں۔ 'وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدُ النِّسَآءُ'[2] کے دعویٰ کے مصداقِ وحید بھی۔ پھر آپ ﷺ اس نبوت و رسالت کی تکمیلی و اتمامی شان کے تقاضوں کے قولِ ثقیل اور وحی الٰہی کے بے پایاں بوجھ کو برداشت کرنے (سورۂ حشر 21) کے لئے خلقی طور پر جسمانی اور روحانی اعتبار سے احسن تقویم کی چوٹی پر بھی ہیں۔ لہٰذا بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ

---

[1] تجھ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ [2] اور تجھ سے زیادہ خوبصوت کسی عورت نے نہیں جنا

[3] ''اگر ہم یہ قرآن (مجید) پہاڑ پر اُتار دیتے تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ ہیبت سے ریزہ ریزہ ہوجاتا''۔ جبکہ

آپ ﷺ نے اس قرآن کو اپنے قلب پر اُترنے کے عمل کو برداشت کرلیا۔
آپ ﷺ 'خُلِقْتَ مُبَرّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ' [1] کی شان بھی رکھتے ہیں اور آرزوئے حسن میں بھی بے مثال کہ 'كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ' [2] کی شان بھی آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔

اس معنیٰ میں ختم نبوت اور آسمانی ہدایت کی تکمیل ـــــ کہ اب آپ کے تربیت یافتہ صحابہ j ان کے شاگرد اور ان کے شاگرد درجہ بدرجہ اس ہدایت سے قیامت تک کے مسائل اور مواقع کے لئے رہنمائی اخذ کرسکیں گے۔ایک بہت بڑا اعتماد ہے اور ایک BLANK CHEQUE ہے جس پر انسانیت جتنا ناز کرے وہ کم ہے۔

اس عظیم شان اور خالق ارض وسماء کے 'اعتماد' کے البتہ کچھ تقاضے اور مضمرات ہیں، جن کا ادراک ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ اس سمیت میں فکروعمل کے تقاضے پورے کرسکے اور وہ مختصراً یہ کہ اب قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور قرآن مجید کے پیغام کو ایمان ـــــ کردار عمل ـــــ اور شخصیت سے عام کرنا اور اجتماعی سطح پر اس کا نمونہ خلافت کی شکل میں قائم کرنا اور قائم رکھنا اُمت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے صحابہ کرام j نے یہ ذمہ داری ادا کردی تھی اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے خلافت کا ادارہ قائم کیا جو اس فرض منصبی کو اجتماعی سطح پر ادا کرنے کا ذمہ دار تھا جب تک یہ ادارہ قائم رہا عام مسلمان اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش رہا جب یہ ادارہ ختم ہوگیا تو یہ ذمہ داری افرادِ اُمت کو منتقل ہوگئی۔یہی ذمہ داری آج کے مسلمان پر بھی عائد ہوتی ہے۔تاکہ نوعِ انسانی پر ہر لحاظ سے انفرادی و اجتماعی سطح پر اتمام حجت ہوسکے۔اس ارشادِ باری تعالیٰ میں ختم نبوت کے اسی پہلو کا تذکرہ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (02-143)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزمان) تم پر گواہ بنیں''

اور یہی مضمون سورۂ حج (22-78) میں بھی آیا ہے۔یہ ختم نبوت کا دوسرا پہلو ہے

---

[1] آپ (ﷺ) ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں

## 3 آپ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کی حتمیّت اور دوام

قرآن مجید کے بیان کے مطابق آسمانی ہدایت اور نزولِ وحی کا مقصد پیغمبروں کے سیرت و کردار اور عمل کی روشنی میں نوعِ انسانی کے افراد پر اتمام حجت اور قطع عذر تھا (04-165) تاریخ انسانی میں 600 ق م سے 600 عیسوی تک زمانہ ایک خاص نوعیت کا لاابالی پن کا زمانہ ہے جیسے انفرادی زندگی میں بلوغت کا زمانہ (18 سال سے 30 سال کی عمر تک کا) ہوتا ہے۔

یہ دور غلطیاں کر کے سیکھنے کا دور ہوتا ہے اور جذباتیت کی انتہاء کے ساتھ جسمانی طاقت بھی ہوتی ہے لہٰذا بے راہ روی کے مواقع ہوتے ہیں۔ انسان اپنے آپ پر قابو پالے تو ٹھیک ہے ورنہ انسان دنیا کی بھول بھلیوں میں اپنے آپ کو گم کر دیتا ہے۔

600 ق م کے لگ بھگ سے بنی اسرائیل کے شریر عنصر نے پہلے تکذیب انبیاء f اور بعد میں قتل انبیاء f کا مذموم جرم شروع کیا۔ یہ عمل گویا 'خود پرستی' کے زعم میں اس بات کا اظہار تھا کہ ہمیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے ہم من مانی کریں گے اور نفسانی خواہشات پر کسی قسم کی پابندیاں اور قدغنیں برداشت نہیں ہیں۔ یہ شیطانی عمل کئی صدیاں جاری رہا اور بنی اسرائیل نے ہزاروں نبی قتل کر دیے اور اس غیر انسانی عمل پر انہیں کوئی شرمندگی بھی نہیں تھی حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ d کے ساتھ بھی اُنہوں نے یہی روّیہ اپنایا اور اپنے زعم میں تو انہیں راستے سے ہٹا دیا (یہ الگ بات ہے کہ وہ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ضابطے کی رو سے انہیں بچالیا)۔ پھر حضرت عیسیٰ d کے بعد 600 سال کی مزید 'فترۃ الوحیٰ' قرآن خود بیان فرماتا ہے گو ان بارہ صدیوں میں آسمانی ہدایت کا فقدان تھا۔ توراۃ چھپادی گئی تھی اور انجیل بھی نادیدہ قوتوں نے غائب کر دی تھی۔ لہٰذا عملی طور پر (FOR ALL PRACTICAL PURPOSES) آسمانی ہدایت کا 'خلاء' رہا۔

اسی دور میں 'عالم انسانیت' پر وہ دور گزرا ہے جیسے کسی نوجوان کے والد کا سایہ عین جوانی (16-17 سال) کی عمر میں اُٹھ جائے۔ گھر میں ذرا سی آسودگی ہو تو جیسے یہ بچہ بالعموم بگڑ جاتا ہے اسی طرح اس دور میں اجتماعی سطح پر خدا بیزار فلسفے پیدا ہوئے پروان چڑھے اور بلا روک ٹوک خوب

پھلے پھولے۔ چین، ہند، ایران اور یونان کے مشہور فلاسفہ اسی نامسعود دور کی پیداوار ہیں اور بے راہ رو حکمرانوں اور آسودہ حال طبقات نے بے راہ روی، بے حیائی، حیوانی اور ابلیسی نظریات کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یوں انسانیت' حیوانیت اور درندگی کی آماجگاہ بنی رہی اس دور میں شیطان اور اس کے نظریات کو خوب فروغ ملا تا آنکہ مشیت الٰہی نے آخری اور کامل ترین نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ان کو قرآن مجید جیسی لازوال کتاب عطا فرمائی اور یوں باطل افکار و نظریات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ اس ہدایت کی روشنی چہار دانگ عالم میں پھیل گئی اور حیرانی کی بات ہے کہ آپ ﷺ کی آمد کے چھ صدیاں بعد تک قرآن مجید پر مسلمانوں کے اجتماعی یقین کا یہ کرشمہ تھا کہ مسلمانوں میں تو کیا غیر مسلم دنیا کے فلسفہ کے مراکز میں بھی کوئی ارسطو اور چانکیہ کی طرح کا فلسفی سامنے نہ آسکا۔

اس بارہ سو سالہ منحوس دور میں سابقہ آسمانی ہدایت کے سامنے ہونے کی بنا کر مقابلہ نہ کیا جاسکا اور خود تورات، زبور اور انجیل کے نام لیوا بھی (ایک قلیل مخلص لوگوں کی تعداد کو چھوڑ کر) ان خدا بیزار، وحی دشمن، اخلاق دشمن اور ابلیسی فلسفیانہ نظریات میں بہہ گئے اور انہیں افکار و نظریات کے حمایتی اور طرفدار بن گئے۔ _____ یاحسرۃً علی العباد

بنی اسرائیل تورات اور انجیل کے حامل ہو کر اپنے عروج کے دور میں ان باطل نظریات کا سامنا نہیں کر سکے تو آج کیسے کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک جتنا آج ضروری ہے پہلے نہ تھا۔ بنی اسرائیل سے پہلے کے انبیاء f کی تعلیمات ویسے بھی آج محفوظ نہیں ہیں ان کے پیروکار (جیسے ہندو وغیرہ) ماضی میں بھی خدا بیزار، وحی دشمن، اخلاق دشمن اور انسان دشمن (حیوانی) افکار و نظریات کا توڑ نہیں کر سکے تو اب دورِ جدید میں جبکہ انسان بیدار ہو چکا ہے، یہ گروہ اپنی روایات کے ذریعے چاہیں بھی تو مقابلہ نہیں کر سکتے۔

## ایک فطری اُصول کی طرف قرآن پاک کی رہنمائی

تاریخ انسانی میں انسانوں کی طرف مبعوث ہو کر آنے والے انبیاء کرام f کے بارے میں جو واحد مثبت رویہ ممکن ہے وہ اتنا عام فہم، سہل اور فطرتِ انسانی کے قریب ہے کہ اس سے کوئی آج کا انسان بھی بقائمی ہوش و حواس انکار نہیں کر سکتا اور یہ روّیہ اسی بات کی طرف بھی

رہنمائی فرماتا ہے کہ جب تک دنیا میں وحی ونبوت کا سلسلہ جاری تھا آج سے پانچ ہزار سال پہلے یادورِ بنی اسرائیل میں ـــــــ ہر نبی کے ماننے والے اس بات کے پابند تھے کہ جب وہ اُصولاً نبوت کوتسلیم کرتے ہیں تو اس ادارہ (INSTITUTION) کے اقرار کے بعد اب جب بھی ان کے سامنے کسی بعد میں آنے والے نبی کی دعوت آئے گی تو وہ اسے قبول کریں گے یہی عقل سلیم اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے حضرت ابراہیم d سے پہلے کسی نبی نے آخری نبی ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا اور نہ بنی اسرائیل کے کسی نبی نے آخری نبی ہونے کے الفاظ پیش کیے۔ لہٰذا ہر آنے والے نبی کی تصدیق اور اس پر ایمان سابقہ نبی پر ایمان کا منطقی تقاضا تھا اور آج بھی ہے۔ اس بات کو قرآن پاک میں اس پس منظر میں یوں بیان کیا گیا ہے: (02--26-27)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّیَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ O الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ O

''اللہ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے جو مؤمن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے پروردگار کی طرف سے سچ ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی مراد ہی کیا ہے۔ اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو (بدنیت) نافرمانوں ہی کو، جو اللہ کے ساتھ اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُس کو قطع کیے ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔''

گویا فرمان الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کے ذریعے انسانوں تک یہ پیغام پہنچایا تھا اور عہد لیا تھا کہ وہ ہر آنے والے نبی پر ایمان لائیں گے اور اس تسلسل کو برقرار رکھیں گے وہ اس عہد کو توڑ رہے ہیں اور اس تسلسل کو قطع کر رہے ہیں (اس آیت کے اور معنی بھی ہیں

جو اخلاقی سطح پر بڑے اہم ہیں یعنی صلہ رحمی مگر سیاق وسباق کے مطابق یہی معنیٰ زیادہ قیاس ہیں۔)

## نقض عہد اور مذہبی اختلافات

حضرت ابراہیم d سے پہلے انبیاء کرام کے ماننے والوں نے بھی اس عہد کو توڑا ہے اور دورِ انحطاط میں گناہوں میں پڑ کر بے حیائی اور فسق و فجور کی زندگی گزاری ہے اور بعد والوں نے بھی۔ اسی قسم کے نقض عہد کی وجہ سے دنیا میں مذاہب کی دنیا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف بلکہ تفرقہ کی بڑی وجہ چند مفاد پرست، عیش پرست، نفس پرست اور اخلاق سے عاری لوگوں کا کسی نئے آنے والے نبی کی تعلیمات کا انکار تھا جس نے ابلیسیت کی شکل اختیار کر لی اور پھر تفرقہ ہو گیا۔

## نقض عہد اور بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم d سے قبل کا زمانہ زمانہ قبل از تاریخ (PER-HISTORIC-ERA) ہے اور اس کی زیادہ تفاصیل بھی نہیں مل سکتیں مگر بنی اسرائیل کا زمانہ تو حضرت ابراہیم d کے ہزار سال بعد کا ہے جبکہ دنیا تہذیب وتمدن کے اعتبار سے اور علم کی ترقی کے باعث عالمی روابط اور تجارت میں قدم رکھ چکی تھی۔ پھر بائبل اور اسرائیلی روایات اس بات کی شاہد ہیں کہ بنی اسرائیل اس عہد کی پاسداری نہ کر سکے اور اس کو توڑنے کے مرتکب ہوئے اور کبھی اس قبیح عمل پر شرمندگی اور ندامت نہ ظاہر کی۔

## بنی اسرائیل اور قتل انبیاء f

بنی اسرائیل نہ صرف آنے والے پیغمبروں f پر ایمان نہ لائے جو انہیں کے خاندان میں سے تھے (بنی اسرائیل میں سے تھے) بلکہ اُن کو ستایا، پریشان کیا اور قتل کے مرتکب ہوئے۔ پہلے قتل پر شاید کوئی خوف طاری ہوا ہو گا مگر کوئی بڑی آفت نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کا موقع دیا تو اس سے مزید 'دلیر' اور 'شیر' ہو گئے اور اس 'قتل انبیاء' کے جرم میں بہت آگے نکل گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا

لَاتَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَO

''اور ہم نے موسیٰ ( d ) کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم ( d ) کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبرئیل ) سے ان کو مدد دی۔ تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور (انبیاء کے ) ایک گروہ کو تم جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

## قتل انبیاء ___ وحی و نبوت کا راستہ روکنا

بنی اسرائیل (اور دنیا کی دیگر سابقہ اقوام ) آنے والے نبیوں f پر ایمان نہ لا کر اور نقض عہد کر کے گویا دبے لفظوں میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اب مزید ہدایات کی ضرورت نہیں ہم جیسی زندگی (شیطانی رجحانات کے تحت' خواہشات کی زندگی ) گزار رہے ہیں یہی صحیح ہے اس میں کسی مثبت تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتے۔

قتل انبیاء کرام f کی روش کے اس تسلسل سے FORCING GOD'S HANDS والا معاملہ تھا کہ بند کرو اس نبوت کے دروازے کو' ہمیں مزید 'نبی' برداشت نہیں ہیں۔ یہ طرزِ عمل احمقانہ تو تھا ہی ___ اللہ تعالیٰ سے مقابلہ لگانے والی بات تھی مگر اللہ تعالیٰ نے پھر بھی حضرت عیسیٰ d تک سینکڑوں نبی بھیجے کہ پچھلی نسل نے یہ جرم کیا تھا ___ ہر 30 سال بعد آنے والی اگلی نسل شاید توبہ کر لے۔ مگر برا ہو خاندانی روایات کا اور ابلیسی سوچ کا کہ بنی اسرائیل کے ذہنی، فکری اور عملی بگاڑ اور حزب الشیطان کا روپ دھارنے کی وجہ سے وہ حضرت محمد ﷺ تک ہی رویہ اپنائے رہے۔ اَللّٰھُمَّ انَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَنَعُوْذُ بِکَ اَنْ یَّحْضُرُوْنا (اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں شیطانوں کے وسوسوں سے اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ وہ ہمارے پاس آ موجود ہوں )

## قتل انبیاء f ___ ختم نبوت اور جھوٹے نبی

بعض اوقات دو تین معاملات (اعمال وافعال واقوال ) بظاہر بڑے مختلف، ایک دوسرے سے دُور اور متضاد نظر آتے ہیں مگر غور کرنے سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ یہ ایک ہی چیز کے کئی

رُخ یا پہلو ہیں جو باہم جڑے ہوئے ہیں۔اس بحث کا عنوان بھی اس طرح کا ایک قضیہ ہے۔ ختم نبوت کا بظاہر بنی اسرائیل کی قتل انبیاء کی قبیح روش سے کوئی تعلق اور علاقہ نظر نہیں آتا اور آپ ﷺ کے اس اعلان (اور وضاحت) کے بعد کہ میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا، جھوٹے نبیوں کی ایک کھیپ کا 'برآمد' ہو جانا بھی بالکل منفرد اور انوکھا واقعہ محسوس ہوتا ہے مگر قارئین کرام غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ قتل انبیاء کرام اور جھوٹی نبوت کے مدعیان کا معاملہ ایک ہی بیماری یا روگ کی دو علامتیں یا ایک ہی کھوٹے سکہ کے دو رُخ ہیں۔آگے بڑھنے سے پہلے ایک وضاحت اس بات کی ضروری ہے کہ جھوٹی نبوت اور جھوٹے نبی کے الفاظ سے مراد کیا کیا ہے؟۔ بائبل میں بھی جھوٹے نبیوں کا تذکرہ متعدد مقامات پر ہوا ہے۔*

قرآن مجید میں تکرار سے یہ مضمون آیا ہے کہ جتنے انبیاء کرام f تشریف لائے کچھ لوگ تو ان پر ایمان لائے اور کچھ لوگ ایمان نہیں لائے۔جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے کئی طبقات ہو سکتے ہیں اور ایمان نہ لانے کے عمل کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔انہیں طبقات میں سے سب سے اہم طبقہ ان آسودہ حال مترفین اور اہل علم و دانش کا بھی تھا جو ان انبیاء کرام کو پوری طرح پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تھے۔یہ طبقہ اپنی اس مجرمانہ ذہنیت اور ضمیر کی خلش کی وجہ سے جب اپنے عمل کی کوئی معقول وجہ بیان کے قابل نہیں پاتے تھے، تو پیغمبروں پر ہی جھوٹا ہونے کا دعوٰی کر دیتے تھے اور برملا انہیں جھوٹا کہتے تھے۔یہ بات فرعون نے بھی حضرت موسیٰ d کے بارے میں کہی (قصص 20-38) اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھی کہی گئی بلکہ آپ ﷺ کو تو (معاذ اللہ) 'کذّاب' بھی کہا گیا (ص 38-04)۔قرآن پاک میں پیغمبروں کی مخالفت کے عمل کو 'تکذیب' کہا گیا جس سے مراد ان پیغمبروں کو جھوٹا کہنا ہی تھا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام f اپنے کردار کے اعتبار سے سچے ترین انسان تھے، کسی انسان کو ان سے سچائی کے علاوہ دوسرا تجربہ نہیں ہوا۔اس کے باوصف ایسی شخصیات کو 'جھوٹا' کہنا، کہنے والے کے حق میں

---

* بائبل: **استثناء**، باب ۱۳ آیت ۲ تا ۲۲ اور باب ۱۸۔**سلاطین**، باب ۱۸ آیت ۳۰ و مابعد۔**یرمیاہ**، باب ۱۴ آیت ۱۴ اور باب ۲۳ آیت ۹ تا ۳۲۔**حزقی ایل**، باب ۱۳، آیت ۴ تا ۱۶ اور باب ۱۴ آیت ۴ تا ۵۔

**عہدنامہ جدید: متی** باب ۲۴ آیت ۵، ۱۱، ۲۳، ۲۵۔ **مارقس** باب ۱۳ آیت ۶، ۲۱ تا ۲۳۔ **لوقاء** باب ۲۱ آیت ۸

کور باطن ہونے کا ثبوت ہے۔ پھر جن اشرار اور بدکردار لوگوں نے حضرات انبیاء f کی مخالفت کی اور ایمان نہ لائے بلکہ دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکنے کی سعی کی جس کے لئے 'یَصُدُّوْنَ' کے الفاظ آتے ہیں۔ عام فہم سی بات ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے پہلے مشرکین مکہ اور بعد میں اہل کتاب، جب دوسروں کو آپ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے تھے (آلعمران 03-99)، اس روکنے کے عمل کے لئے ان کے پاس کوئی جواز اور دلیل تھی نہیں صرف 'تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا' کا امکان تھا۔ جھوٹا پراپیگنڈا اور کردار کشی جس کی بنیاد پر وہ آپ ﷺ کو بھی جھوٹا نبی کہتے تھے (معاذ اللہ) یہی حال معاذ اللہ سابقہ انبیاء ورسل f کا بھی اپنے اپنے زمانوں میں رہا ہے۔

لہٰذا ایک یہ الفاظ ہیں جو حضرات پیغمبروں f کے مخالفین ان کے بارے میں کہتے تھے اور ایک قسم کے وہ متنبّی (خودساختہ نبی) ہیں جنہیں لسان رسالت ﷺ نے جھوٹا کہا ہے یا جو اعلانِ ختم نبوت کا انکار کر کے کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کو امت مسلمہ جھوٹے نبی کہتی ہے۔ الفاظ مشترک ہیں مگر محل ومقام مختلف ہے۔ عام تصور میں جھوٹے نبی کے الفاظ اعلانِ ختم نبوت کے بعد پیدا ہونے والے (خودساختہ) قسم کے نبیوں کے بارے میں ہیں۔

اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بائبل میں الفاظ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں کئی لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ جس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے کہ پہلے بھی جھوٹے نبی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعے جب تک ختم نبوت کا اعلان نہیں ہوا اس کے بعد لوگوں نے 'جرات' کی ہے کہ وہ نبی بن بیٹھیں اس لئے کہ اتنا یقین انہیں بھی تھا کہ اب ان کی کذب بیانی، کاسہ لیسی، جھوٹے دعاوی اور بدنیتی کا راز فاش کرنے کے لئے کوئی 'وحی' نہیں آسکتی باقی رہ گئی عام مسلمانوں کی گفتگو اور دلائل وہ ایک بحث ہے جو جاری رکھی جاسکتی ہے اور 'میں نہ مانوں' کا طرز عمل دنیا میں عام ہے۔

## تاریخ بنی سرائیل اور جھوٹے نبی

تاریخ بنی اسرائیل میں جس جھوٹی نبوت کا اشارہ ہے اس کا تعلق بنی اسرائیل کے شریر اور ابلیسی ذہنیت رکھنے والے اس گروہ سے ہے جو قتل انبیاء f کا مرتکب تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ

قتل کی نوبت، پہلے انکار، تکرار، بدکلامی، الزامات، یک طرفہ کردار کشی، زدوکوب کرنے کے بعد ہی آتی ہے اس قبیح عمل کے دوران ہی ان پاکیزہ نفوس کو جو بنی اسرائیل میں سے ہی نبی ہوئے تھے ان بدباطن، خبیث اور وحی دشمن لوگوں نے پہلے انہیں جھوٹا نبی کہا اور پھر قتل بھی کر دیا۔ موجودہ بائبل چونکہ حقیقی، اور منزل من اللہ نسخہ تو نہیں ہے اور تورات کی گمشدگی کا یہ عمل بھی انہیں قاتلین انبیاء کے گروہ کا ہی 'کارنامہ' ہے لہٰذا ان سچے نبیوں کیلئے جھوٹی نبوت کرنے کے الفاظ من گھڑت اور خودساختہ ہیں اور یقیناً ان سچے نبیوں کا انکار کرنے والوں کی طرف سے ایک الزام ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت آدم d سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سلسلہ نبوت جاری رہا۔ ان کی تعداد روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس ہے جن میں سے تین سو تیرہ کو رسول کے درجہ پر فائز کیا گیا۔ اس دوران میں کوئی جھوٹا نبی نہیں آیا۔ (یا نبوت کا جھوٹا مدعی نہیں بنا) اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا ـــــ تو وحی کا سلسلہ جاری تھا یقیناً اس کا راز فاش کر دیا جاتا۔ مگر اس کی کوئی مثال تاریخ انبیاء f میں نہیں ہے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے مخالفین آپ پر الزام لگاتے تھے کہ قرآن پاک آپ ﷺ خود تصنیف کرتے ہیں اور پھر اس کے بارے میں 'من جانب اللہ' ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ردّ اس شدومد کے ساتھ کیا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ اگر اعلانِ ختم نبوت سے پہلے کوئی فرد بشر ایسا دعویٰ کرتا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا بھڑکنا اس آیت کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ نبوت کے جھوٹے مدّعی یا 'متنبّی' تو اعلان ختم نبوت کے بعد ہی خودرو جڑی بوٹیوں کی طرح اُگنا شروع ہوئے تھے۔

## قتل انبیاء اور جھوٹی نبوت

ہمارے نزدیک قتل انبیاء کرام کے جرم کے پیچھے اور نبوت کے 'جھوٹے مدعیان' کے پس پردہ ایک ہی ذہنیت کارفرما تھی اور من جملہ ایک ہی گروہ کارفرما تھا۔ وہ سوچ 'صہیونیت' (ZIONISM) کی سوچ تھی۔ مرض ایک ہی تھا مختلف خارجی حالات میں علامات مختلف تھیں۔

'قتل انبیاء' میں آسمانی ہدایت پر عمل نہ کرنے کا جذبہ تھا۔ اپنے آپ کو ہدایت کے تابع کرنے سے انکار اور طغیان تھا اور پرلے درجے کی گمراہی تھی کہ روز روز سمجھاتے ہیں ان کو قتل کر کے مٹا دو کہ ہمیں آئندہ کوئی سمجھانے اور نصیحت کرنے والا نہ ہو ـــــ نصیحت قبول نہ کرنے

سے بڑا جرم اور 'طغیانی' میں اگلا درجہ نصیحت کرنے والے کو قتل کر دینا ہے گمراہی میں یہ آخری درجہ ہوسکتا تھا۔اس کے ساتھ ہی آسمانی ہدایت کا تحریری سرمایہ آسمانی کتابیں ـــــ غائب کر دینے کا عمل بھی اس ابلیسی گروہ کی کارستانی ہے کہ جب نصیحت کرنے والے انبیاء کرام f بھی برداشت نہیں تو وہ نصیحت جو لکھی ہوئی موجود ہے وہ کب برداشت ہوسکتی ہے۔

اس ابلیسی گروہ کے اوصاف (خواہشات اور رویوں) میں وحی دشمنی، ہدایت دشمنی، خدا ناشناسی، خدا بیزاری، خود پرستی، آزاد خیالی (LIBERALISM) اباحیت پرستی، بے حیائی، عیاشی، بدکرداری، عریانی فحاشی اور حیوانیت کی سطح تک گر کر اپنے جیسے دوسرے انسانوں پر ظلم، بربریت اور سفاکانہ قتل شامل ہے۔

## حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری اور یہودِ مدینہ

آپ ﷺ کی تشریف آوری پر مدینے میں آباد یہود کے تین قبیلے اسی گروہ پر مشتمل تھے اسی لئے ان میں بہت کم لوگ ایمان لانے کی سعادت حاصل کر سکے۔اکثریت نے آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد سے جنگ خیبر تک تنگ کرنے، نقصان پہنچانے، قتل کرنے کے منصوبے بنانے، مشرکین مکہ کو خطوط لکھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کی دعوت دینے، منافقین کو ساتھ ملا کر ناکام کرنے کا ہر ممکن منصوبہ بنایا اور 'واللہ مُتِمُّ نُوْرِہٖ' کے خدائی فیصلہ کی شمشیر کا نشانہ بنے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ اور 'وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ، کے زُمرہ سے شامل کر کے ذلیل کیا اور اپنے 'دین حق' کا اظہار کر دیا اور اپنے 'آخری پیغمبر' حضرت ﷺ کو اس بنی اسرائیلی 'حزب الشیطان' کے منصوبوں کی 'پھونکوں' کے باوجود کامیابی و کامرانی تک پہنچا دیا اور اب تک یہی سنت اللہ اپنے دین کی حفاظت کرتی آرہی ہے۔

بنی اسرائیل کے تین قبیلے مدینے میں آباد تھے آپ ﷺ کی ہجرت اور مدینہ تشریف آوری پر یہ یہود سہم گئے۔وہ آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے (سورۃ المائدہ) 'میثاقِ مدینہ' میں شامل ہوگئے مگر در پردہ سازشوں میں ہی مصروف رہے اور اپنی قتل انبیاء کی سوچ کے مطابق منصوبے بناتے رہے۔جنگ بدر کے بعد ایک قبیلہ بنی قینقاع نکال دیا گیا جنگ اُحد سے قبل اور اس کے دوران سازشوں پر بنی نضیر جلا وطن ہوئے۔جنگ خندق کے موقع میں در پردہ

مشرکین کے رابطے اور سازش پر بنی قریظہ ذلیل ہو کر خیبر کی طرف دھکیل دیے گئے۔ مگر تینوں میں سے کسی قبیلے نے جھوٹے منہ سے بھی معذرت نہ کی اور نہ غلطی تسلیم کی۔ صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین سے مطمئن ہو کر آپ ﷺ نے یہود کے خلاف فیصلہ کن اقدام کر کے خیبر فتح کر لیا اور انہیں شمال کی طرف دھکیل دیا (جہاں آج کل کویت، اُردن، امارات اور نجد کا علاقہ ہے)۔

جنگ خندق کے بعد ہی سورۃ الاحزاب میں ختم نبوت والی نوید نازل ہوئی تو بنی اسرائیل کے اس شریر عنصر نے اپنے لئے ایک نئی راہ اپنالی۔

پہلے ابلیسی فطرت کے تحت آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیمات سے سرتابی اور تکبر تھا اب ختم نبوت کے اعلان کے بعد آخری پیغمبر حضرت ﷺ کی لائی ہوئی آخری ہدایت اور حتمی ہدایت قرآن مجید کو متنازعہ بنانے اور اس آسمانی ہدایت کو چھپانے (ECLLIPSE) کے لیے فرضی جھوٹے اور کرائے کے آدمیوں کے ذریعے شیطانی خیالات کو وحی کی شکل میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا۔

ابھی یہود خیبر سے نکل کر ان علاقوں تک پہنچے ہی تھے اور اعلانِ ختم نبوت کی صدا فضا میں ہی تھی کہ نبوت کے جھوٹے مدّعی کھڑے ہو گئے۔

نبوت کے مدعیان کا سامنے آنا ـــــ اسی بنی اسرائیل کے شریر عنصر (ZIONS) کا ذہنی خاکہ (BRAIN CHILD) تھا اور صہیونیت کا ہی منصوبہ تھا اور آج تک ہے اور اہل علم مانتے ہیں کہ ان متنبّیوں کے رشتے صہیونیت سے ہی جڑتے ہیں۔ مسیلمہ کذّاب، اسود عنسی سے لے کر مرزا قادیانی تک سب اسی ابلیسی گروہ کی منصوبہ بندی اور کارستانی کا حاصل ہیں۔

## ایک غور طلب بات

بڑی سادہ سی بات ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے نزدیک نبوت کا دروازہ ابھی کھلا ہے تو صرف مسلمانوں کے درمیان سے نبوت کے (جھوٹے) دعویدار کیوں سامنے آ رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں بھی ہونے چاہئیں یہود اور نصاریٰ میں بھی سامنے آئیں۔ اسرائیل، یورپی ممالک، کینڈا، امریکہ اور روس میں بھی ایسے شیطانی (واقعات) ہوں تو بنی اسرائیل کی سوچ کو غلط فہمی کہا جا سکتا ہے۔ مگر قتل انبیاء کرام f کے جرم کے مرتکب اس گروہ کے نزدیک اپنے شیطانی منصوبوں (بے حیا، عریانی، فحاشی، حیوانیت، روشن خیالی وغیرہ) کو فروغ دینے کی راہ میں سب

سے بڑی رکاوٹ ہی آسمانی ہدایت ہے۔تورات، زبور، انجیل کوتو انہوں نے غائب کر کے فرضی اوراپنے خیالات کے عین مطابق ایسی تعلیمات کا 'متن' تیار کر کے راہ ہموار کر لی مگر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت ہے (اوراس کی حفاظت کا ذمہ بھی اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے) لہٰذا یہ قرآن مجید موجود ہے اور موجود رہے گا۔اس کو طاق نسیان بنا دینا ان کے لئے ممکن نہیں اسی لئے اس کتاب کی تعلیمات سے رُخ پھیرنے کے لئے ایک طرف قرآن مجید کو جلانے کے واقعات ہیں دوسری طرف توہین رسالت ﷺ ہے (حضرت محمد ﷺ کی توہین آمیز خاکے، فلمیں، تحریری مواد وغیرہ) اور مسلمانوں کے درمیان 'جھوٹے نبی' کھڑے کرنے کے منصوبے ہیں۔میڈیا سے صرف مسلمانوں ہی کو بے راہ کرنے بالخصوص مسلم نوجوانوں کو بے حیائی پر لگانے کے لئے دنیا بھر کے چینلز کا رخ پاکستان کی طرف ہے۔ساری دنیا سے سستا موبائل انٹرنیٹ، موبائل فون پاکستان میں ہے۔فی کس موبائل فون بھی پاکستان میں زیادہ ہیں بے حیائی کے چینلز کا رُخ ادھر ہے اور حیرت ہے کہ دنیا بھر کی بے حیائی اور عریانیت کی حامل سائٹس (SITES) کے مالک بھی یہودی ہیں اوراس کے بنانے والے اور عریاں نگاری کے مشہور نام بھی سب یہود میں سے ہی ہیں۔

سبب ایک ہی ہے کہ آسمانی ہدایت سے روگردانی کرنا اور آسمانی ہدایت سے دوسروں کو بھی متنفر کرنا ـــــ یہ ابلیسی منصوبہ ہے (سورۃ الاعراف 07-16) اور اس شیطان ابلیس کے نمائندے جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی (سورۃ الناس 114-06)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی آمد پر بھی یہود کو موقع دیا تھا کہ وہ اپنے اباؤ اجداد کی ابلیسی روش سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں تو وہ اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا سکتے ہیں مگر وہ اس سے محروم رہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا وَ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا O (17-8)

''امید ہے کہ تمھارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔

اوراب بھی ایک مہلت ہے اگر وہ باز نہ آئے تو مخلص اہل ایمان کے ہاتھوں اس گروہ اوراس کے حمایت یافتہ تمام گروہوں، شخصیتوں، ملٹی نیشنلز کا حشر ـــــ مدینہ کے یہود جیسا ہونے والا ہے اور بالآخر عذاب الٰہی کے طور پر اہل ایمان کے ہاتھوں ہی (حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری پر) ختم ہوجائیں گے اوران کی نسل ہی ختم کردی جائے گی۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك

اب بھی توبہ کا موقع ہے۔ مگر 'فلما زاغوا ازاغ اللّٰہ قلوبھم' (جب ان لوگوں نے کج روی اختیار کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کردیے) کی مصداق یہ قوم جب ایک دفعہ ابلیس لعین کے فرنٹ مین بن گئی ہے اور تین ہزار سال سے یہی روش اپنائے ہوئے ہے تو ـــــ اصلاح کا امکان معدوم ہے۔ ویسے ابلیس اپنے پختہ کار ایجنٹوں اور اپنے خاص آدمیوں کو یوں ہاتھ سے جانے بھی نہیں دیتا اور اب یہ اس مرحلہ پر ہیں کہ کوئی نصیحت ان پر اثر نہیں کرسکتی۔ سچ کہا ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر!
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

---

## حاصل کلام:

ختم نبوت کے تین پہلوؤں کی وضاحت کے بعد اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان پہلوؤں سے اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔

☆ ختم نبوت کے فقہی وقانونی پہلو پر تحفظ ختم نبوت کے نام سے کئی علماء، ادارے اور عالمی انجمنیں کام کررہی ہیں اور انہیں مساعی کے نتیجے میں مسلمانوں نے متفقہ طور پر ستمبر 1974ء میں سرکاری طور پر انکار ختم نبوت کرنے والے ایک گروہ، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار کو کافر قرار دیا اور یہ اب ہمارے آئین وقانون کا حصہ ہے اس سے اسرائیلی کارپردازوں کو بڑا دکھ ہے اور وہ سب مل کر مختلف ہتھکنڈوں اور لبادوں میں اب بھی اس کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں۔

☆ دوسرے پہلو کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ کامل ترین نبی ہیں اور کامل ترین رسول ہیں اور ان کی لائی ہوئی کتاب اور اس کی تشریح نوعِ انسانی کے لئے قیامت تک ہدایت ہے اس

بات کو صحابہ کرام j نے صحیح سمجھا اور اس قرآن مجید کی تعلیمات کو 'خلافت راشدہ' کی شکل میں غالب کر دیا اور اس کے پاکیزہ اثرات آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پائے جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ختم نبوت کے اس پہلو کا حق ادا کرنے کے لئے اب عالمی سطح پر بھی اُمت مسلمہ کے ہاتھوں قرآن مجید کا پیغام عام ہو اور پھر نظام خلافت قائم ہو۔ آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ اب یہ نظام قائم ہوگا تو عالمی ہوگا۔ آپ کا ارشاد ہے:

عن المقداد رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَایَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَ ذُلِّ ذَلِیْلٍ اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا۔ قُلْتُ (فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بد بخت کو مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرما دے گا اور انہیں کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا۔ (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرما دے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے!'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا!'' پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا!'' (رواہ احمد فی "المسند" بسند صحیح)

خلافت کا یہ نظامِ عدل عالمی سطح پر غالب ہو کر رہے گا ولو کرہ المشرکون۔ اور یہی 'لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ' کا تقاضا بھی ہے۔

اس ضمن میں بھی کئی جماعتیں پاکستان میں اور بیرونِ پاکستان کام کر رہی ہیں کچھ جماعتیں صرف غلبہ اسلام کے لئے کام کر رہی ہیں اور خلافت کی اصطلاح سے گریز کرتی ہیں جبکہ کچھ جماعتیں خلافت کی اصطلاح بھی استعمال کر رہی ہیں۔ بعض الیکشن کے ذریعے اسلام کے غلبہ کی آرزو رکھتی ہیں اور بعض انقلابی طریق پر عمل کرتے ہوئے اس مقصد جلیلہ کو حاصل کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک مقصد کے لئے متحد کر دے اور ختم نبوت کے اس تقاضے ــــ

کہ اسلام کے عدلِ اجتماعی کا نمونہ عالمی سطح پر آج بھی دکھا دیا جائے ـــــ کو پورا کرا دے آمین۔

☆ ختم نبوت کے تیسرے پہلو کہ آپ ﷺ کی تعلیمات آخری اور حتمی ہیں اور یہ تعلیمات باقی انبیاء کی بچی کھچی اُمتوں کے پاس جو تعلیمات ہیں ان کی ناسخ ہیں اور ان پر ایمان لانا ـــــ سابقہ انبیاء کرام f کے ماننے والوں پر خود ان کی تعلیمات کے مطابق لازم ہیں۔ اس حقیقت کو آشکارا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

سابقہ انبیاء کرام f کے 'بزعم خویش' ماننے والے اگر حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کی طرف سے اپنے پیغمبر کو آخری نبی ماننے کا دعویٰ ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کا ایک طرح انکار ہی ہے۔

آج اہل کتاب اور دوسرے مذاہب (جو آسمانی مذاہب کی ہی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں) سے رابطہ اور مکالمہ ہوسکتا ہے۔ یہ مکالمہ صرف اسی حد تک ہے کہ ایک دوسرے کو سمجھا جائے، غلط فہمیاں دور کی جائیں اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی برتری ثابت کی جائے۔ یہ مکالمہ بڑا مبارک ہے اور ان شاء اللہ اس کے بہت مثبت نتائج نکلیں گے۔

مگر افسوس کہ صہیونیت یا بنی اسرائیل نے مغرب میں مکالمہ بین المذاہب (INTER FAITH DIALOGUE) کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اور جس کو مسلمانوں میں بھی عام کر رہے ہیں وہ ـــــ چیزے دگر ہے۔ اس کے مطابق تو یہ پراپیگنڈا ہے کہ تمام مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ آؤ مل بیٹھیں، 'شدت پسندی' کا خاتمہ ہو، دوسروں پر اپنے مذہب کی برتری کا خیال چھوڑ دیں۔ ہر مذہب میں اچھی باتیں ہیں، ان کا احترام کریں اور ہو سکے تو تمام مذاہب کی اچھی باتیں لے کر ایک 'نیا' جدید مذہب تیار کر لیا جائے جو سب انسانوں کے لئے قابل قبول ہو۔ کسی ایک مذہب کے غلبے کا خیال دل سے نکال دیں۔ پھر مذہب کو انسان کا ذاتی معاملہ (PRIVATE AFFAIR) سمجھا جائے اور یہیں تک رکھا جائے۔ رہے اجتماعی معاملات یعنی حکومت و ریاست و قانون تو یہ سیکولر چلانے ضروری ہیں۔ کسی مذہب کے تحت چلائیں گے تو دوسرے اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس سے شدت پسندی، لڑائی، نفرتیں اور دہشت گردی جنم لے گی جس سے انسانیت کا بڑا نقصان ہوگا اور عالمی امن تباہ ہو جائے گا۔

یہ مکالمہ بین المذاہب ـــــ مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت اور آپ کی تعلیمات کے حتمی اور آخری ہونے کا ان کی طرف سے انکار ہے اور ہمارا ـــــ اس معاملے میں ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لیے ایک دام ہمرنگ زمین ہے۔ ایسا مکالمہ بین المذاہب کسی صورت 'خیر' کی چیز نہیں اور یہ عالمی سامراج اور عالمی حکومت کے خواب دیکھنے والی ابلیسی قوت (صہیونیت) کا نیا تراشیدہ بت ہے اور ہمارے نزدیک مسلمانوں کی غیرتِ دینی کو ایک چیلنج ہے۔ اس طرز کے 'مکالمہ بین المذاہب' کے عنوان سے بھی ختم نبوت کا انکار ہے اور اس فتنے کا سدباب بھی اسی شدومد سے ہونا ضروری ہے جس شدومد سے اُمت مسلمہ کے اکابرین دوسرت فتنوں کے سلسلے میں پہلے کرتے آرہے ہیں۔ یہ مکالمہ بین المذاہب کا فتنہ بھی بنی اسرائیل کے قتل انبیاء کے جرم اور بعد میں جھوٹی نبوتوں کے فتنوں کی طرح کا ایک فتنہ ہے۔ اس کے مفاسد کو سمجھنے اور اُمت مسلمہ میں ان کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ ختم نبوت کے یہ تیسرے پہلو کو نہ ہماری طرف سے مثبت انداز میں آگے بڑھانے کے لئے کام ہوا ہے اور نہ اس پہلو سے اُٹھنے والے 'مکالمہ بین المذاہب' کے مغربی اور صہیونی تصور کی حقیقت کو سمجھ کر اس کا توڑ کرنے اور مسکت جواب دینے کے لیے سوچ بچار کا عمل شروع ہوا ہے۔

یہ وقت ہے جب کہ مغرب کی تہذیب اور اس کی سرپرست صہیونیت (ZIONISM) اب اپنی انتہا کو پہنچ کر آگے بڑھنے سے رُک گئی ہے اور اپنے آپ کو سنبھالنے اور بچاؤ کے مرحلے میں ہے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور مسلمان اُمت کو اس وقت جبکہ لوہا گرم ہے اسلام کو عالمی سطح پر کسی معذرت خواہانہ انداز میں نہیں بلکہ حتمی اور آخری پیغام کے طور پر پیش کرنا چاہیے اور سابقہ انبیاء کرام f کے ماننے والوں کو اُن کے اپنے انبیاء پر ایمان لانے کے منطقی تقاضے کے طور پر ـــــ آخری وحی اور آخری پیغمبر ـــــ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی طرف دلائل دے کر قائل کرنے کی کوشش تیز کر دینی چاہئیں۔

ہماری بات میں شاید اتنا وزن نہ ہو ـــــ مگر اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورُسل کے مقدس اور سنہرے سلسلے کے ذریعے، حضرات انبیاء f کی حقیقی تعلیمات اور حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی کتاب اور تعلیمات میں ضرور اتنا وزن ہے کہ وہ تمام انسانوں سے اپنے آپ کو منوالیں گی۔ ہمارا

کام اس پیغام کے حامل ہونے کی حیثیت سے لوگوں سے سامنے پیش کرنے کا ہے۔اس پیغام کو مؤثر بنانا ـــــــ لوگوں کو منوانا اور دلوں میں اس کی عظمت بٹھا دینا اور سعید روحوں کے لئے آگے بڑھ کر اس کو قبول کرنے کے حالات پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔اللہ تعالیٰ پہلے بھی اس طرح کے 'مافوق الفطرت' اور اچانک مواقع پیدا کر کے اپنے دین کی مدد کرتا رہا ہے (جیسے قیامِ پاکستان) اور آج بھی ہمیں یقین ہے ضرور ایسا فرمائے گا اور اس کام میں پہل کرنے والوں کو عزت عطا فرمائے گا۔علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

---

وہی ہیں مقتدا دین و سیاست کے
جنھیں افلاک سے پیغام آتے ہیں
محمد(ﷺ) پر ہوا ہے سلسلہ یہ ختم
وہی سب انبیاء کا دِیں سکھاتے ہیں
'بنے گا اب نبی کوئی نہ میرے بعد'
محمد(ﷺ) سارے عالم کو بتاتے ہیں
فقط پچھلے نبی عیسیٰ کا آنا ہی
خدا اور مصطفٰے ہم کو بتاتے ہیں
مسیحؑ و مہدیؑ موعود کا بہروپ
کئی دجال بھر کر پھر بھی آتے ہیں
عدو جعلی نبی، مُفتی، مجدد بھی
بنا کر اُمتِ عادل میں لاتے ہیں

محمد فیاض عادل فاروقی

# مایوسی گمراہی ہے!

شمس الحق اعوان

(بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور دسمبر 2012ء)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآ لُّوْنَ﴾ (الحجر)

’کہا اور کون ہے اپنے رب کی رحمت سے مایوس ماسوائے ان کے جو گمراہ ہیں۔‘‘

اس موضوع کے حوالے سے میرا قارئین سے ایک سوال ہے کہ اگر کوئی طالب علم کمرۂ امتحان میں پرچہ حل کرنے کے بجائے مایوس ہو کر بیٹھ جائے تو کیا ممتحن پرچہ لینا بند کر دے گا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ بعینہٖ اللہ ربّ العزت نے انسان کو دنیا میں ایک خاص مقصد اور مشن کے لیے بھیجا۔ اسے اشرف المخلوقات بنایا‘ خلافت ارضی کا منصب عطا کیا‘ اس کو جاننے‘ سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیتیں عطا کیں‘ عمل کرنے کے خاص اختیارات دیے‘ دنیا میں رہنے کے لیے خاص ہدایات دیں‘ عملی نمونہ کے لیے انبیاء کرام f مبعوث کیے‘ انبیاء کرام کے ذریعے وقتاً فوقتاً کتب نازل کیں جن کے ذریعے واضح کر دیا کہ یہ دنیا دار العمل ہے‘ اور جنت صرف متقین کے لیے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ ۭ وَّلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (الانعام)

''یہ دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں سوائے کھیل اور تماشے کے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

قرآن حکیم میں اتنا واضح نصب العین اور مقصد حیات بیان کر کے فرما دیا گیا ہے کہ ہم لازماً آزمائیں گے کہ کون ہے جو کمرۂ امتحان میں پرچہ صحیح حل کرتا ہے اور کون ہے جو مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ بالخصوص جنت جیسا عظیم انعام، جس میں جو چاہو گے دستیاب ہو گا، اگر حاصل کرنا ہے تو سر دھڑ کی بازی لگانی پڑے گی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''تمہارے لیے اس میں ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہے جو تم مانگو۔ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔''

لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم ہر روز موت و حیات کا منظر دیکھنے کے باوجود زندگی کی اصل حقیقت تک پہنچنے سے محروم ہیں اور اسے وقت گزاری اور دنیا سازی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ مثل زبان زدِ عام ہے: ''ایہہ جگ مٹھا اگلا کس ڈِٹھا!'' یعنی یہ دنیا تو میٹھی ہے اور اگلی دنیا کس نے دیکھی ہے؟ ع ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' یعنی جتنا عیش کر سکتے ہو کر لو دنیا دوبارہ نہیں آئے گی۔ ان طور طریقوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صاحب اختیار اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کر کے عوام کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے میں مسرت محسوس کرتے ہیں اور غریب عوام دو وقت کی روٹی کے حصول کے لیے روز و شب ایک کر دیتے ہیں۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام و اقوال سننے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ رہے وہ لوگ جو دعوت و تبلیغ، جمعہ اور جماعت سے منسلک ہیں ان کی وعظ و نصیحت کا مرکز عملی دنیا سے ماورا ایسے معاملات سے ہے جن کا ایوانِ اقتدار میں انقلاب برپا کرنے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ گویا عوام الناس اجتماعی معاملات کی رہنمائی سے محروم ہیں، جس کا نتیجہ انتشار اور بدعملی کے علاوہ اور کیا نکل سکتا ہے۔

دریں حالات انسان جب کسی غلط کام کے لیے پہلا قدم اٹھاتا ہے تو وہ اٹھاتا ہی چلا جاتا ہے، کیونکہ معاشرے میں اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے حوصلہ افزائی کرنے والے بکثرت مل

جاتے ہیں اور وہ اس میں اس قدر مگن ہوتا ہے کہ پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ میں دنیا میں کس مقصد کے لیے آیا تھا۔ تاہم زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کے اوراق وقتاً فوقتاً اس پر نورِ حقیقت کو واضح کرتے رہتے ہیں۔ کبھی خود بیمار ہو جاتا ہے یا کبھی کوئی عزیز اس کے ہاتھوں میں چل بستا ہے تو اسے اگلا جہان یاد آتا ہے' پھر اسے کف افسوس ملنا پڑتا ہے۔ لیکن اس وقت وہ اس ذہنی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے جہاں سوائے ناامیدی اور مایوسی کے کچھ نظر نہیں آتا۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ اسے ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے اور وہ بے یار و مددگار بھٹکنے لگتا ہے۔ لیکن اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ اللہ ربّ العزت نے مایوسی سے نکالنے کے لیے دو اہتمام فرمائے ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ دنیا میں بھیجتے وقت اسے بااختیار اور باشعور بنایا۔ احسن تقویم کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر وہ کوئی گناہ کر لے تو اسے مایوس ہونے کی بجائے توبہ کا راستہ نظر آ جائے۔ یہ علم اسے عالمِ ارواح میں دیا گیا۔ دنیا میں آتے وقت اس کے تحت الشعور میں فہم اور تدبّر کی صلاحیتیں راسخ کیں۔ شعور اور لاشعور میں تخلیقی اور تدبیری تعلق استوار کیا تاکہ ماحول کی گم گشتگی میں سررشتہ ہدایت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

(۲) دوسرا انتظام یہ کیا کہ انبیاء کرام f بھیجے' تاکہ نسیان اور جذبات کی شدت میں اگر انسان صراطِ مستقیم سے ہٹ جائے تو وہ اس کو اصل منزل یاد دلا دیں اور پھر اس منزل تک پہنچنے کے لیے صراطِ مستقیم پر چل کر بھی دکھا دیں۔ ہر قوم' ہر مسلک اور ہر دور میں پیغمبر آتے رہے جو بگڑی اور بھولی بسری اُمت کو از سرِ نو بھولا ہوا سبق یاد کراتے رہے۔ ہر پیغمبر کا ایک پیغام اور ایک ہی درس تھا کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق اور مالک ہے اور وہ ربّ العالمین ہے۔ اس کا نام اللہ ہے اور وہ ''ارحم الراحمین'' ہے' لہٰذا زندگی کے کسی بھی موڑ پر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلانِ عام ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الزُّمر)

''کہہ دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید

مت ہو۔ بے شک اللہ سارے گناہ بخشنے والا ہے۔ بے شک وہ غفور اور رحیم ہے۔''

اِنفرادی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی لاتعداد مثالیں مل جاتی ہیں' اجتماعی زندگی کے حوالے سے اہل عرب کی بدنظمی اور انتشار کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ؎

کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

اس انتشار کی وجہ سے ان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ جب انہوں نے پیغمبر اعظم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپؐ کی قیادت میں بنیانِ مرصوص بن گئے تو پھر یہ عالم تھا کہ ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی!

انسانی شعور جب بلوغت کے مقام پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ بند کر دیا' البتہ ان کا پیغام' ان کی دعوت ''قرآن حکیم'' کی شکل میں محفوظ کر دی گئی جو ہماری مایوسیوں کا علاج اور ہماری رہنمائی کا سامان ہے۔ سورۃ الزمر کی مذکورہ بالا آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشنے والا ہے' بشرطیکہ خطا کار گناہوں سے توبہ کرے اور اس کی طرف پلٹے۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے کہ اس نے ننانوے (۹۹) قتل کیے تھے' جب احساس ہوا تو توبہ کے لیے ایک عیسائی راہب کے پاس گیا اور پوچھا کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ اُس نے کہا ''نہیں''۔ اس نے سوچا جہاں ننانوے قتل کیے ہیں وہاں سو (۱۰۰) ہو جائیں گے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ لہٰذا اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا اور سو کی تعداد پوری کر لی۔ لیکن اس قاتل کو اطمینان قلبی نصیب نہ ہوا۔ تلاش کرتے کرتے بالآخر وہ ایک عالم کے پاس جا پہنچا۔ اس نے اس عالم کو بتایا کہ وہ سو انسانوں کو قتل کر چکا ہے' کیا اس کے لیے توبہ کا کوئی امکان ہے' اُس نے کہا کیوں نہیں! تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ تم فلاں جگہ چلے جاؤ' وہاں ایسے لوگ آباد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں' تم بھی ان کے ساتھ مل کر

اللہ کی بندگی اور پرستش کرو اور تم اپنے وطن کی طرف واپس مت جانا' کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔ تو وہ شخص چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب اس نے آدھا راستہ طے کر لیا تو اس کو موت آ گئی اور وہاں اس کی جان قبض کرنے کے لیے جنت اور دوزخ دونوں کے فرشتے آ گئے۔ چنانچہ اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے۔ رحمت (جنت) کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص خلوص سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر رہا تھا۔ اور عذاب والے فرشتے کہنے لگے کہ اس نے کبھی کوئی نیک عمل تو کیا ہی نہیں! تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرشتے کو انسانی شکل میں بھیج دیا اور ان فرشتوں نے اس کو اپنے درمیان ثالث بنا لیا۔ اُس نے کہا کہ تم دونوں جگہوں کا فاصلہ ناپ لو' جس زمین کے یہ زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہے۔ جب فاصلہ ناپا گیا تو جس طرف وہ جا رہا تھا وہ جگہ زیادہ قریب نکلی۔ چنانچہ رحمت کے فرشتے اس بندے کو (جنت میں) لے گئے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ اس واقعہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ انسان کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

قرآن حکیم مسلسل اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ توبہ کریں اور آگے بڑھیں:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (الشوریٰ)

''وہی ہے جو اُتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت۔ اور وہی ہے کام بنانے والا۔''

انسانی مزاج یہ ہے کہ اگر اسے بھلائی اور خیر مل رہی ہو تو وہ مسلسل مانگتا جاتا ہے اور مانگنے سے نہیں تھکتا' لیکن اگر نہ ملے اور آزمائش کی وجہ سے رک جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ اس انسانی نفسیات کی ترجمانی حسب ذیل آیات سے ہو جائے گی:

﴿لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَیْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة)

''نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی' اور اگر لگ جائے اسے برائی تو آس توڑ بیٹھتا ہے

ناامید ہو کر۔''

﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ (الحجر)

''بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے مگر جو گمراہ ہیں۔''

اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر گمراہوں کی صف میں شامل ہونا بہت بڑا جرم ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں گمراہی سے بچنے کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ شاید ہمارے ذہن میں کبھی اس بات کا احساس تک نہ ہوا ہو کہ صرف مایوس ہونے کے سبب ہمارا شمار ''الضَّالِّیْنَ'' ہو جائے گا۔ لہٰذا غور کرنا چاہیے کہ لاشعوری طور پر ہم ایک ایسے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں جسے جرم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے' آمین ثم آمین!

مایوسی سے بچنے کے دو طریقے اور مدارج ہیں: (i) رجوع الی اللہ یعنی توبہ اور (۲) اعمال صالحہ کی پابندی۔

## توبہ کی عظمت

توبہ وہ عمل ہے جو نہ صرف گزشتہ تمام گناہوں کو دھو ڈالتا ہے بلکہ گزشتہ گناہوں کو نیکیوں میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝﴾

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان و یقین لایا اور نیک کام کیے سو اللہ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور عمل صالح کرے تو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔''

سورۂ مریم میں فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝﴾

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیکی کی' سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور

ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

ان آیات میں کتنی بڑی خوشخبری ہے۔ وہ لوگ جن کی زندگی مختلف جرائم میں ملوث رہی ہو اور انہیں معافی کی امید بھی نہ ہو تو وہ معاشرے میں فساد پھیلانے کے علاوہ اور کیا کردار انجام دیں گے۔ ان کو ان آیات اور توبہ کے بارے میں بتانا ضروری ہے تاکہ وہ مایوسی چھوڑ کر بارگاہِ الٰہی میں معافی کے طلب گار ہوں اور پھر ایک اچھے انسان کی طرح عزت دار بن کر معاشرے میں زندگی گزاریں۔

توبہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس نے عرب کے معاشرے کو ''اسفل سافلین'' سے ''احسن تقویم'' کے مقام پر پہنچا دیا۔ دورِ نبوی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ h بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت میرے حجرے کے باہر کھڑی تھی' میں نے سلام کیا اور مزید توجہ دیے بغیر حجرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور استفسار کیا کہ مجھ سے زنا کا جرم سرزد ہوا اور ایک بچہ بھی پیدا ہوا جسے میں نے مار ڈالا' کیا اسلام میں میرے لیے کوئی گنجائش ہے؟ میں نے کہا ''نہیں''۔ اس پر وہ روتی ہوئی چلی گئی۔ اگلے دن میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے سورۃ الفرقان کی آیات نہیں پڑھیں:

﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۝﴾

''جو کوئی توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔''

یہ سن کر میں نے عورت کو تلاش کیا اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان سنایا۔ وہ یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ؎

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

''یہ درگاہ میری درگاہ ہے جہاں ناامیدی نہیں' اگر سو بار بھی توبہ ٹوٹ جائے تو بھی مایوس نہ ہو' واپس آ جا!''

## توبہ کن کی قبول نہیں ہوتی

توبہ کا معنی ہے پلٹنا' رجوع کرنا۔ اگر غلطی اور نادانی سے توبہ ٹوٹ جائے یا انسان توبہ نہ کر

سکے تو موت سے پہلے تک توبہ کر لینے سے اللہ کے ہاں توبہ قبول ہو جائے گی۔ لیکن اگر حالت نزع ہو جائے تو اُس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (النساء)

''اور ایسوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو گناہ کیے جاتے ہیں' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ جائے تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ایسوں کی توبہ جو حالت کفر میں مرتے ہیں۔ ان کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر i سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْ غِرْ)) (رواه الترمذی)

''بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک حالت نزع میں نہ پہنچے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا۔ قوم اور اُمت کے لیے اب بھی موقع ہے کہ اجتماعی توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور جس مقصد کے لیے یہ خطہ زمین حاصل کیا تھا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یکسو ہو جائے۔ تنظیم اسلامی نے قوم کی توجہ کئی بار اس امر کی طرف دلائی ہے اور اجتماعی توبہ کی منادی دی ہے تاکہ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کریں جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ ہم آج بھی اسی پکار کو سر بلند کیے ہوئے ہیں اور پرامید ہیں کہ ایک نہ ایک دن قوم اس پر لبیک کہے گی اور سمجھ لے گی کہ ''اسلام بذریعہ انقلاب ہی ممکن ہے'' ع

پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ!

❁❁❁

# مسلم دورِ اقتدار اور سائنس

## ساتویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک

(قسط نمبر 1 ماہِ دسمبر 2012ء میں شائع ہوئی)

انجینئر مختار فاروقی

### کلام الٰہی – اور سائنسی نقطہ نظر

انسانی تمدن اور تہذیب کی معلوم تاریخ گواہ ہے کہ جس ہستی نے یہ کائنات بنائی ہے اور انسان کو اس کرۂ ارضی کے انتظام کے لئے پیدا فرمایا ہے اس فاطر فطرت نے انسانوں کی ضرورت اور ترقی کی ہر چیز بھی یہاں مہیّا کی ہے۔ نیز ہدایت کے لئے پاکیزہ سیرت و کردار کے حامل افراد سامنے آتے رہے جو لوگوں کو اس کائنات کی حقیقت، اس میں انسان کا مقام اور انسان کے لیے موت کے بعد گزرنے والی کیفیات کے احوال بتاتے رہے۔ یہ مقدس ہستیاں انبیاء کرام f کہلاتی ہیں۔ ایک وقت تک یہ پیغمبر دنیا کے آباد علاقوں کی انسانی آبادیوں اور بستیوں میں آتے رہے۔ پھر تجرباتی علوم آگے بڑھے اور انسانی معاشرت نے تہذیبوں کا روپ دھارا تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم d کی نسل کو اُٹھانے اور اس کے اندر ایک 'مثالی' انسانی معاشرہ اور ماحول کا نمونہ دنیا کو دکھانے کے لئے ان کی اولاد میں پیغمبری رکھ دی اور وحی کا سلسلہ بھی ان کی اولاد کے اندر ہی مختص کر دیا۔

بنی اسرائیل اُٹھے۔ آسمانی ہدایت، کتابوں اور انبیاء کرام f کے وارث تھے صحیح اور

مثالی انداز میں ترقی ہوئی اور مثالی بادشاہتیں (حضرت داؤد d اور حضرت سلیمان d) قائم ہوئیں۔ بنی اسرائیل ایک وقت میں اللہ کے نمائندے، مثالی معاشرہ کے حامل اور 'اہل کتاب' کہلاتے تھے اس نسبت سے کل انسانیت پر فضلیت رکھتے تھے۔ یہ گروہ صحیح راہ پر قائم رہتا تو تمام معلوم دنیا پر اللہ کے دین کو پہنچا کر مثالی انسانی معاشرہ اور ایک انسان دوست نئی تہذیب کو جنم دے سکتا تھا ـــــ مگر ع اے بسا آرزو کہ خاک شد کے مصداق، نسل انسانی کو یہ خوش نصیبی میسر نہ آسکی اور قرآن مجید کے مطابق بنی اسرائیل نے خود ہی دنیا پرستی کا راستہ اختیار کیا اللہ سے، وحی سے اور انبیاء کرام f سے بے وفائی کو شعار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ہدایت سے محروم کر کے حالات کے حوالے کر دیا اُن کی مسلسل نافرمانی اور شرارتوں کی سزا کے طور پر انھیں 'مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ' قرار دیا اور بعض کو 'گمراہ'۔ جو حالات اور زمانہ بنی اسرائیل نے پایا اور عالمی تجارت، آسمانی علم، آسمانی ہدایت اور 200 سال کا تہذیبی تسلسل وہ چاہتے اور سیدھے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے وفاداری کرتے انسان دوست اور اخلاق دوست رویہ اختیار کرتے نیز خدمت انسانی اور فلاحِ انسانی کو مقصود بنا کر انسانیت کو آخرت کی بہتری کا راستہ دکھاتے یعنی مخلوق کو خالق سے جوڑنے کا کام اور فریضہ سرانجام دیتے تو ساری متمدّن دنیا کے ممالک کی تاریخ ہی اور ہوتی۔ ان کی عالمی اقتدار کی خواہش جو 3000 سال سے شرمندۂ تکمیل ہے وہ اسی وقت پوری ہو جاتی اور حضرت سلیمان d کی بے مثال حکومت کی طرح وہ مشرقی وسطیٰ سے نکل کر اپنی حکومت ایران، افغانستان، ہند، چین اور یورپ و افریقہ تک پھیلا سکتے تھے مگر ان کی بد باطنی اور بد نیتی کی وجہ سے ان کے مقاصد پاکیزہ رہے اور نہ انسان دوست، جس کی وجہ سے وہ (بنی اسرائیل) تاریخ میں نشانِ عبرت کے طور پر موجود ہیں اور ہر غلط طریقے سے مقاصد کے حصول کی کوشش کے باوجود تا حال ناکام و نامراد ہیں۔

یونان کی خدا بیزار اور خدا ناشناس علمی ترقی اور بے حیا اور حیوانی تہذیب اپنے عروج کے بعد ایک ہزار سال تک آس پاس کے حملہ آوروں کی دست برد کا نشانہ بنی رہی تا آنکہ وہ رومی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ یہ رومی سلطنت اپنی بربریّت اور وحشی پن کے ساتھ ہی 300 عیسوی کے لگ بھگ سینٹ پال کی تثلیث والی عیسائیت اختیار کر چکی تھی اور بنی اسرائیل کے ساتھ گٹھ جوڑ کی

بنا پر مخلص خدا پرست اور ہدایت پر کاربند عیسائیوں پر مظالم ڈھا رہی تھی۔

ان حالات میں ـــــــ سرزمین عرب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت محمد ﷺ اور ان کے بعد ان کے پیروکار اپنے ذاتی اعلیٰ کردار اور انسان دوست نظریات وتعلیمات کی بدولت عادلانہ اور منصفانہ انداز میں ایک نئی ترقی پسند انسانی تہذیب کی ایسی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئے جس کے نورانی اور انسان دوست اثرات آج بھی قائم ہیں۔

دنیا میں جنگیں افکار ونظریات کی بنیاد پر لڑی اور جیتی جاتی ہیں۔قرآن مجید فرماتا ہے کہ اُصولی طور پر جو قوم انسان دوست نظریات وخیالات کے ساتھ آگے بڑھے گی وہ اپنے مقابل میں آنے والے ہر فرسودہ شیطانی ابلیسی، انسان دشمن، اخلاق دشمن ـــــــ حکومت، سلطنت، تہذیب اور معاشرت کو ختم کر کے رکھ دے گی اور اگر وہ قوم خود بھی کچھ عرصے بعد کسی زعم باطل میں آ کر اخلاق دشمن، علم دشمن اور انسان دشمن نظریات اپنالے گی تو وہ بھی دنیا سے نیست و نابود ہو جائے گی اور اس کی جگہ کوئی اور حاکم آ موجود ہوگا۔

حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے آسمانی ہدایت کے پیروکاروں کی از سر نو شیرازہ بندی ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل اہل کتاب اور آسمانی ہدایت کے حامل ہونے اور اس کے دعوے دار ہونے کے باوجود عملاً اللہ تعالیٰ کی نمائندگی اور انسان دوست اور اخلاق دوست اور مثالی کردار کو صدیوں پہلے چھوڑ چکے تھے۔ ہند، چین، ایران، یونان و یورپ سب جگہ ظلم کا دور دورہ تھا اور انسان اپنے جیسے انسانوں کا غلام۔ ذہنی گراوٹ اور قلبی قساوت کا یہ حال کہ مشرق ومغرب ہر جگہ اشرف المخلوقات انسان نے 'پتھر' کے بت بنا کر ان سے حاجت روائی اور ان کے سامنے عاجزی و نیاز کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ یہ طریقہ دراصل ظالم بادشاہوں نے ہی اپنی حکومت کے دوام کی خواہش اور مذہبی رہنماؤں کے ذہنی وفکری بگاڑ نے جنم دیا تھا اور مذہبی و سیاسی رہنما عام انسان کو لوٹ رہے تھے۔عوام کی اکثریت کے دل میں خدا شناسی اور اعلیٰ اخلاق واعلیٰ کردار کے نمونے تو کیا، خواہش و ضرورت کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا۔ان حالات میں سرزمین عرب سے آسمانی ہدایت کا سورج نکلا اور اس کے تربیت یافتہ لوگوں نے عدل وانصاف کے ساتھ انسان دوستی، اخلاق دوستی اور علم دوستی

کی ایسی ایسی راہیں صاف کر کے ان پر چل کر دکھایا کہ تاریخ میں اس کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی۔

اسلام کی تاریخ کا ایک خاکہ درج ذیل ہے:

- حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب

  ولادت اپریل 571ء

  دورِ نبوت 40 سال

  وفات 8 جون 632ء۔ 12 ربیع الاوّل 11ھ

- خلفائے راشدین

  11ھ تا 40ھ دورِ خلافت راشدہ

| | |
|---|---|
| حضرت ابوبکر h | ربیع الاوّل 11ھ تا جمادی الثانی 13ھ |
| حضرت عمر h | جمادی الثانی 13ھ تا محرم 24ھ |
| حضرت عثمان h | محرم 24ھ تا ذی الحجہ 35ھ |
| حضرت علی h | ذی الحجہ 35ھ تا رمضان 40ھ |

- دورِ بنواُمیہ 41ھ تا 132ھ
- دورِ بنواُمیہ (سپین/یورپ) 93ھ تا 900ھ
- دورِ بنوعباس 132ھ تا 656ھ
- دورِ خلافت عثمانیہ (ترکستان/مشرقی یورپ) 656ھ تا 1342ھ

  خلافت اسلامیہ عثمانیہ

  صفوی خاندان وغیرہ (ایران) 820ھ تا 1342ھ

مختلف حکومتیں مغلیہ خاندان وغیرہ ہند 600ھ تا 1260ھ

حضرت محمد ﷺ نے جس علاقے سے اسلام کی دعوت کا آغاز کیا اور جہاں سے اس دین کو ابتدائی رجالِ کار اور جانثار میسّر آئے وہ حجاز کا علاقہ ہے یہ علاقہ معلوم تاریخ میں کبھی کسی بادشاہت اور تہذیب کا مرکز نہیں رہا مزید براں نہ ہی یہاں کی زمین زرعی ہے اور نہ پانی میسر ہے لہٰذا اس صحرائے عرب میں زندگی بڑی کٹھن اور دشوار تھی لوگ مصنوعی رکھ رکھاؤ اور تہذیبی بندھوں

سے دورِ فطرت کے قریب اور انسانیت کے قریب زندگی گزار رہے تھے کہ اسلام کی روشنی نے ان کی زندگیوں کو منور کر دیا۔ بقول حالیؔ:

اُتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور آپ ﷺ کی جھنجھوڑنے والی دعوت کے بارے میں یہ تبصرہ ہے کہ

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی

اسلام دینِ فطرت ہے اور خالق کائنات نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے قرآن اُتار کر اتمامِ حجّت کر دیا اور اس طرح عام انسانوں کو اُٹھا کر دنیا کا معلّم اور مزکّی بنا دیا۔

انسان کے مزاج میں جو تحقیق و تجسس کا مادہ ودیعت شدہ ہے اور ضروریاتِ زندگی کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کا جذبہ ہے اس فطری جذبے کو اسلام نے جلا بخشی اور پھلنے پھولنے کی ایسی راہ دکھائی کہ بڑی بڑی تہذیبوں کے مراکز سکتے میں آ گئے تھے۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں (اور بالعموم تمام انسانیت) کو دو طرح سے تحقیق و جستجو اور ایک سائنسی (اُصولوں پر مبنی) اندازِ فکر اپنانے پر ابھارا۔

اولاً ـــــ اسلام کے بعض احکام ایسے ہیں کہ جب انسان نظریاتی طور پر اسلام کا معتقد ہو جائے اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو جائے تو ان احکام پر عمل کرنا لازم ہے۔ ان احکام کی ادائیگی کے لئے حضرت محمد ﷺ کے دورِ مبارک میں ہی آپ کے ساتھیوں کو سوچنے غور کرنے اور اس کا حل نکالنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ سچ ہے کہ ضرورت ہی ایجاد کی ماں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں نے جلد ہی تحقیق و جستجو سے ایسی ایجادات کر لیں کہ اسلام کے احکامات پر صحیح انداز میں عمل ہو سکے۔

مثلاً پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان (مرد و زن) پر فرض ہے نماز کی ادائیگی کے لئے دیگر لوازم کے ساتھ استقبالِ قبلہ بھی فرض ہے۔ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں تو آپ ﷺ اپنے اصحاب j کو بذریعہ وحی قبلہ کی صحیح سمت سے آگاہ کر دیتے تھے لیکن بعد میں کتنا بڑا مسئلہ تھا فوج

کسی نئے علاقے میں ہے آج یہاں ہے کل وہاں ہے ہر روز نیا پڑاؤ ہے قبلہ کا رُخ معلوم کرنا ضروری تھا لہٰذا مسلمانوں نے اس سلسلے میں محنت کر کے پورا علم ایجاد کرلیا۔ سائنسی اوزار (SCIENTIFIC INSTRUMENTS) بنالئے جبکہ غیر مسلم دنیا ایسے کسی علم سے ہی نابلد تھی۔

[فوری تقابل کے لئے آپ بنی اسرائیل اور مسیحی یورپ کو لے لیں۔ ان کے ہاں بھی نمازیں (PRAYERS) ہیں اور اس کے لئے ایک خاص سمت کا تعین ہے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ عیسائیوں کے لئے بیت المقدس کا مشرقی حصہ مقدّس ہے اور یہود کے لئے اس کا مغربی حصہ مقدّس ہے۔ اہل کتاب یروشلم سے دور اپنی نمازوں (PRAYERS) کا کیسے اہتمام کرتے ہیں اور عبادت گاہوں کو قبلہ رُخ کیسے بناتے ہیں؟ ایک اہم سوال ہے۔ یہود و نصاریٰ میں باہمی اختلافات کی وجہ سے وہ کسی ایک سمت پر بھی متفق نہ ہو سکے حالانکہ مقام ایک ہی ہے۔ یروشلم سے باہر عیسائیوں نے بیت المقدس کے مشرقی حصہ کو مقدس خیال کرتے ہوئے ہر جگہ اپنے گرجوں (CHURCHES) کا رُخ مشرق (EAST) کی طرف کر کے بنانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس سے کسی طرح بھی بیت المقدس کی مشرقی جانب رُخ نہیں ہوسکتا اور یہود نے اپنی عبادت گاہیں (SYNAGOGUES) 'مغرب' کے رُخ بنانا شروع کر دیں اب ان کی عبادت گاہیں دنیا بھر میں ایسے ہی بنتی ہیں کہ وہ مغرب کی طرف رُخ کر سکیں۔

آج سے دو ہزار سال پہلے بھی وہ کوئی چیز ایجاد نہ کر سکے نہ اور یونانیوں کے ذریعے ایجاد کروا سکے مسلمانوں نے سمت معلوم کرنے کے ذرائع اور اصطرلاب ایجاد کر لی تو بھی یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کے رُخ صحیح انداز میں بنانے کا طریقہ نہ اپنایا۔ اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کی برتری اور اسلام کا احسان ماننا پڑتا تھا اور بے وقوفی (STUPIDNESS) یہ کہ آج دورِ جدید میں بھی اپنی سابقہ روش پر قائم ہیں۔ بالخصوص اسرائیل کے قیام کے بعد یہود کو اپنی عبادت گاہیں یروشلم کی طرف رُخ کر کے بنانا چاہئیں۔ مگر وہ تا حال ایسا نہیں کرتے۔]

ثانیاً ـــــ کائنات پر غور و فکر اور اس میں جاری و ساری قوتوں اور عوامل پر سائنٹفک انداز میں غور و فکر کے لئے چند باتیں ناگزیر ہیں۔ ابتدائی (PRIMITIVE) سطح پر تو ہر آدمی کچھ

نہ کچھ غور کرسکتا ہے۔مگر ایک سائنٹفک اندازِ فکر کو مسلسل آگے بڑھانے کے لئے ان باتوں کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے ــــــ اور وہ ناگزیر باتیں (اُصول) یہ ہیں:

## (1) کائنات میں جاری قوانین میں زمانی تسلسل ہے

دنیا کے کسی خطے کا باسی انسان جب تک اس اُصول کو ذہن نشین نہیں کرے گا وہ تحقیق و جستجو کے راستے پر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔اس لئے کہ اگر ذہن میں یہ ہو کہ ــــــ آج پانی سطح ہموار رکھتا ہے اور اُوپر سے چیزیں نیچے کی طرف گرتی ہیں۔نہ معلوم آج سے ہزار سال پہلے اس روئے ارضی پر کیا اُصول تھے یا پانچ ہزار سال پہلے انسان کا تجربہ کیا تھا؟ اور آئندہ کیا یہ اُصول اسی طرح قائم رہے گا تاکہ جو تحقیق کی جائے وہ کل مستقبل میں کام آسکے اور اسی اُصول سے ہم سابقہ نسلوں کے تجربات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور بعد میں آنے والے ہمارے تجربات اور ایجادات سے فائدہ اُٹھائیں تھے۔اگر اس اُصول پر یقین متزلزل ہو جائے تو سائنس اور سائنسی تحقیق کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔

## (2) کائناتی اُصولوں میں مشرق و مغرب کا فرق نہیں ہے

سائنسی تحقیق و جستجو میں آگے بڑھنے کے لئے ایک دوسرا اہم یقین اس بات پر لازم ہے کہ یہ اُصول 100 میل یا 500 میل یا مشرق و مغرب میں بدلتے نہیں ہے۔اگر جاپان میں کشش ثقل کا قانون موجود ہے تو اس کے جو اُصول وہاں دریافت ہوں گے وہ امریکہ، یونان، برطانیہ، ایران وغیرہ سب میں یکساں طور پر ہوں گے اور قابل عمل ہوں گے۔جغرافیائی لحاظ سے ان قوانین میں یک رنگی سائنس کو آگے بڑھانے کے عمل میں ابتدائی لوازم میں سے ہے۔یہ اُصول اور نقطہ اتنا بنیادی ہے کہ اسی پر سوچ و بچار سے ہی جستجو اور تلاش کے عمل کو مہمیز ملتی ہے۔ قطب نما کی سوئی ہمیشہ ہر جگہ ایک خاص سمت میں ٹھہرتی ہے۔اگر کسی جگہ پر سمت یک لخت بدل جائے یا بدلتی جائے تو اب وہاں کوئی خارجی عامل تلاش کرنا لازم ہوگا کہ ایسا کیوں ہوا اور تلاش سے یہ پوشیدہ قوت بھی انسانی علم میں آجائے گی اور نئی دریافت ہوگی۔مثلاً بجلی کے ہائی وولٹیج (HIGH VOLTAGE) تاروں کے قریب یا نیچے قطب نما صحیح کام نہیں کرتا تو یہ ایک خارجی

وجہ اور استثناء اس اُصول سے سامنے آ گیا۔علی ہذا القیاس

## (3) مادّی دنیا میں جاری قوانین اپنا ایک مضبوط نظام رکھتے ہیں

دنیا میں ہمارے دائیں بائیں جو مادّی اشیاء ہیں ان میں ہر سطح پر جستجو کرتے جتنی گہرائی میں چلے جائیں ایک طرح کے ضابطے اور قوانین ملیں گے یہ قوانین صرف سطحی نہیں ہیں۔مثلاً لوہا ایک دھات ہے اس کی کئی اقسام ہیں اور خواص کا فرق ہے۔لوہے کے ٹکڑے کرتے چلے جائیں تو ہر ٹکڑے کے وہی خواص ہوں گے اور باریک ٹکڑے کریں تو ایک حد ہے جس کو سالمہ (MOLECULE) کہتے ہیں وہاں تک لوہے کے خواص ہیں اور سالم لوہے کے ہی خواص رکھتا ہے اگر سالمے تو توڑیں ـــــ تو ایک نئی دنیا دریافت ہوجائے گی۔ان کو ایٹم کہا جاتا ہے۔ایٹم کی اپنی ایک الگ دنیا ہے اور اتنی باریکی میں بھی قوانین اور ضابطوں کا الگ ایک نظام قائم ہے۔ لوہے کے سالمہ اور سونے کے سالمہ کا فرق آنکھ سے بھی نظر آتا ہے مگر تفصیل میں جائیں تو ایٹم میں بھی فرق نظر آتا ہے پھر ایٹم کی اپنی ایک بناوٹ اور ساخت ہے اس کے آگے حصے ہیں۔الغرض جتنی گہرائی میں ممکن ہے چلے جائیں قوانین قدرت ہر تہہ کے نیچے اور ہر مرحلے پر ملیں گے اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔آج سے ہزار سال پہلے سالمہ کا تصور ہی حتمی تھا۔ایک صدی پہلے ایٹم کا تصور سامنے آ گیا۔پھر ایٹم کی ساخت میں الیکٹران پروٹون کا تصور آ گیا۔پھر اس کے مختلف اُصول سامنے آ گئے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

## (4) کائناتی قوانین کے پیچھے ایک اعلیٰ ریاضیاتی ذہین دماغ کارفرما ہے

تحقیق و جستجو کے میدان میں قدم آگے کی جانب اس وقت بڑھتے ہیں جب تحقیق کار سائنسدان کو اس بات کا یقین حاصل ہو کہ کائنات ایک مربوط سائنسی، ریاضیاتی نظام کی بنیادوں پر چل رہی ہے اور اس میں کوئی کام بھی خلافِ قانون اور ضابطہ نہیں ہو رہا۔اس یقین کے بعد ہی انسان کسی ایک نتیجہ کے بعد اس کے دوسری منطقی اور ریاضیاتی نتیجے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اس طرح یقینی طور پر اب تک نامعلوم قانون اور کلیہ بھی ہاتھ آ جاتا ہے۔

پرندوں کی اُڑان سے رہنمائی لیکر ہوائی جہاز بنالیا، مچھر کی اُڑان سے ہیلی کاپٹر کا تصور

پالیا، مچھلی کی زیرِ زمین گردش سے آبدوزوں کی ایجاد کرلیا جانا سب اسی اُصول کے تحت ہیں۔

### (5) کائناتی نظام.....ایک وحدت

سائنسی تحقیق کے کام کے لئے سب سے اہم بات یہ حقیقت ہے کہ کائنات میں حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی دنیا میں ایک ہی طرح کے قوانین اور ضوابط اور اُصول کارفرما ہیں۔ گویا کائنات کسی ایک 'بنانے والے' اور 'تنہا منتظم' کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے انسان کو ایک کڑی سے دوسری کڑی ملا کر ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ ہائے حیات میں کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ زراعت ہو، موسمیات ہو، انسانی صحت ہو یا حیوانی صحت، جمادات کا جہان ہو، یا نباتات کا، زمین کے اندر معدنیات کا سراغ لگانا ہو یا فضا میں نظامِ شمسی اور کہکشاؤں کے سربستہ رازوں کا ـــــ ایک ہم آہنگی کا تصور ناگزیر ہے۔ ورنہ ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ میں تحقیق کا سفر اپنے علاقے سے ''علاقہ غیر'' میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔

### (6) وحدتِ خالق کا تصوّر ـــــ

کائناتی نظام کے ایک وحدت (ONE UNIT) ہونے کے تصور کے بغیر یقیناً تحقیق وجستجو کا کام انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات میں نہیں پھیل سکتا۔ نظام کی اسی وحدت کا ایک لابدی اور منطقی نتیجہ ـــــ وحدتِ خالق کا تصور ہے یعنی اس پورے نظام کا ایک ہی بنانے والا ہے۔

وحدتِ خالق کائنات کے تصوّر سے ہی انسان بے کھٹکے غور وفکر کے میدان میں آگے بڑھتا رہتا ہے اور چونکہ یہ تصوّر اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے لہٰذا وحدتِ خالق کو ذہن میں رکھ کر چلنا بہت آسان ہے کہ یہ کائنات کے بظاہر متضاد گوشوں میں ہم آہنگی، یگانگت اور باہمی تعاون کا ضامن ہے اور اس طرح انسان جمادات اور نباتات سے تو کیا حیوانات سے بھی وحدت خالق کی بنا پر ایک گونہ اُنس محسوس کرتا ہے۔

اُوپر بیان کردہ چند ناگزیر مفروضات (HYPOTHESIS) کی بنیاد پر جب انسان اپنے گردوپیش میں سامنے آنے والے حوادث، واقعات اور اشیاء پر گہری نظر ڈالتا ہے تو اسے اس بات پر یقین حاصل ہوجاتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ اِلاّ یہ کہ انسان نے اپنے کچھ

نظریات اور مفروضات کو پہلے سے ہی 'عقیدہ' اور DOGMA کے طور پر قبول کر کے اپنے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگائی ہو۔

یونان، بھارت ، چین ، ایران وغیرہ میں پرانی تہذیبوں میں سائنسی اندازِ فکر (SCIENTIFIC APPROACH) اسی لئے نہ پیدا ہوسکی کہ ان معاشروں اور تہذیبوں میں بوجوہ ایک مشرکانہ نظام تھا۔ GODS اور GODESSES، دیوی اور دیوتاؤں کا تصور تھا لہٰذا سطحی قسم کی کچھ ناگزیر ایجادات تو سامنے آگئیں مگر ایک سائنسی اندازِ فکر اور نقطہ نظر نہ پنپ سکا۔ یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ جہاں بارش کا خدا اور ہو، زراعت کا اور ہو، دولت کا دیوتا مختلف، محبت کا دیوتا الگ، جنگ وصلح کا الگ ہو وہاں سائنسی اندازِ فکر پنپ بھی کیسے سکتا ہے۔ ناممکن بات ہے۔

ان ناگزیر لوازمات کی مکمل تائید اور فراہمی صرف اسلام کے آنے سے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اسلام کی تعلیمات میں 'توحید' کا جتنا زور ہے اور خالق کائنات کی جو شانیں یعنی اسماء و صفات کا تصور ہے، ان کی حامل ہستی (جو تنہا خالق کائنات ہے) پر ایمان نے مسلمانوں پر اس سائنسی اندازِ فکر (SCIENTIFIC APPROACH) کی راہیں کھول دیں اور مسلمان عوام و خواص میں ایک خاص اندازِ جستجو پیدا ہوگیا اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر وہ راہیں متعین کر دیں کہ گویا چند صدیوں میں ہی ایجادات کا ایک سیلاب آ گیا۔

## مسلم اقتدار کا دور

دورِ بنواُمیہ میں بھی شمالی افریقہ مشرقِ وسطیٰ ترکستان، ایران اور افغانستان مسلم اقتدار کا اصل مرکز تھا۔ اس میں توسیع ہوئی تو محمد بن قاسم کے ذریعے ہند میں اسلام وارد ہوا اور طارق بن زیادہ کے ذریعے یورپ (سپین) میں۔ دونوں جگہوں پر یہ واقعات 93ھ (711ء) میں ہوئے ہند میں مسلم اقتدار کے فوراً بعد یہ سلسلہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا اور 132ھ (750ء) میں بنواُمیہ کی حکومت ختم ہوگئی اور بنوعباس کا دور آ گیا۔ جبکہ سپین کے مکانی بُعد کی بنا پر اور کچھ دیگر عوامل کی وجہ سے وہاں بنواُمیہ کا اقتدار آٹھ صدیاں بڑی دھوم اور شان وشوکت کے ساتھ پرامن ماحول میں جاری رہا۔ عوامی سطح پر رابطہ رہا مگر سپین اور بغداد میں سرکاری رابطہ برائے نام تھا۔

اسی وجہ سے ہم نے مسلم دورِ اقتدار میں سائنسی ترقی کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے:

(ا) مشرقِ وسطیٰ (بغداد)　　(ب) یورپ میں سپین (غرناطہ)

پہلے ہم یہاں مشرقِ وسطیٰ میں سائنسی ترقی کا ذکر کررہے ہیں۔

## (ا)　مشرقِ وسطیٰ

مشرقِ وسطیٰ میں مسلم اقتدار (632ء_ 1258ء) کو متعدد پہلوؤں سے نہایت سازگار ماحول بھی میسر آیا اور حکومت وسلطنت کے استحکام کے ساتھ علم، سائنس، تسخیر کائنات اور تیزی سے نئی ایجادات اور مصنوعات کا ایک 'شاہ درہ' کھل گیا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں 571ء میں ہوئی۔ 623ء میں آپ ﷺ نے یثرب میں مبارک قدم رکھے تو یہ آبادی مدینۃ النبی یا مدینۃ الرسول بن گئی۔

یہی 'مدینہ' اسلام کی ضیاء پاشیوں سے منور ہوا۔ اسلام کا مرکز بنا اور ہزاروں صحابہ j سمیت حضرت محمد ﷺ کی آخری آرام گاہ بن کر روئے ارضی پر اسلام کی عظمت کا لازوال نشان بن گیا۔ اس شہر کی عظمت کہ _____ یہ حرمِ نبوی c کہلایا۔ خلافت راشدہ میں حضرت عثمان h کے دورِ مسعود تک دارالخلافہ رہا۔ حضرت علی h کے دور میں کوفہ خلافت کا مرکز بنا۔ حضرت معاویہ h کے دورِ مبارک میں دمشق اسلامی حکومت کا مرکز بن گیا۔ 750ء میں بنوعباس برسر اقتدار آئے تو بغداد دارالسلطنت قرار پایا۔

بنواُمیہ کے دور تک مسلمانوں کی زیادہ تر صلاحیتیں اسلام کی اشاعت اور فتوحات پر رہیں اور مسلم اقتدار تین براعظموں تک پھیل گیا۔ بنوعباس کے دور میں فتوحات کم ہوئیں اور داخلی استحکام کی طرف توجہ زیادہ رہی۔ معاشی خوشحالی، ترقی اور تجارت کا فروغ ہوا۔ نیز علمی، تحقیقی اور فنی لحاظ سے بڑے زور وشور سے کام میں اضافہ ہوا۔ بغداد پانچ صدیوں تک عالمی تجارت، تہذیب، ترقی، امن وسکون اور مسلم ثقافت کا گہوارہ رہا۔

علمی دلچسپیاں، تحقیقی سرگرمیاں، تصنیف تالیف، سائنسی نقطہ نظر سے تحقیق وجستجو اپنے عروج پر رہی۔ بنوعباس کو حکومت سنبھالے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا تھا کہ مسلمانوں نے گھڑی ایجاد کرلی۔ سائنسی فکر کی ترقی سے ایجادات کا غلغلہ ہوا اور اس کے نتیجے میں ان ایجادات کی تیاری سے صنعتی ترقی ہوئی اور صنعتی ترقی کے لئے خام مال کی فراہمی اور تیار مال کی فروخت کے لئے

تجارت کئی سو گنا بڑھ گئی۔ بغداد عالمی تجارت کا مرکز ومحور بن گیا۔ بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر، تہذیب کا مرکز اور مسلم ثقافت کا امین بن گیا۔فن تعمیر کے ساتھ اسلامی ذہن نے فارغ اوقات کے مشغلے اور کھیل کود سمیت تفریح کے میدان میں بھی اپنا لوہا منوالیا۔

بغداد میں مسلم اقتدار کی ان پانچ صدیوں تک سائنسی طرزِفکر اور تسخیر کائنات کے لئے سب سے سازگار ماحول میسر آیا۔

اُوپر ہم نے سائنسی نقطہ نظر سے تحقیق کے جو ناگزیر فکری یقینیات (CONVICTIONS) کا ذکر کیا ہے وہ کسی مشرک ملک اور مشرکانہ عقائد کے ماحول میں قطعی طور پر ذہنوں پر حاوی نہیں ہوسکتیں۔ان فکری یقینیات(CONVICTIONS) کا پورا ہمہ گیر پھیلاؤ تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ماحول میں بغداد میں میسّر آیا کہ ہر شخص کی سوچ یہی تھی اور اہل علم اور تحقیق کار کا ذہنی سرمایہ یہی تھا۔

لہٰذا ایجادات کی ایک لمبی فہرست ہے جو اس دور میں سامنے آ گئی۔ یونانی دورِعروج میں جو ایجادات ہوئیں وہ ایک سطحی درجے سے آگے نہ بڑھ سکیں اور مشرکانہ عقائد اور نتیجتاً گرے ہوئے اخلاق وکردار کی وجہ سے سائنسی اندازِفکر کا ماحول نہ پیدا ہوسکا۔ جبکہ مشرقِ وسطیٰ میں مسلم اقتدار کو علم دوست اور اخلاق دوست سازگار حالات میسّر آئے ان حالات کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ تحقیق(RESEARCH) اور غور وفکر کے لئے پرسکون ماحول درکار ہوتا ہے۔ بغداد میں مسلم اقتدار استحکام کے مراحل میں تھا۔ لہٰذا 800ء سے 1200ء تک داخلی طور پر ایک وسیع مرکزی علاقے میں مثالی امن وامان رہا۔

☆ فکری اعتبار سے 'توحید' کے عقیدہ اور ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان کی بدولت مسلمان ذہن کو کسی ذہنی انتشار اور دماغی خلفشار کے بغیر سائنسی انداز فکر کا مکمل طور پر سازگار ماحول میسر آیا چونکہ حکومت، ریاست اور مذہب کا کوئی تصادم یا ٹکراؤ نہیں تھا لہٰذا ترقی کے راستے پر تیزی سے کام میں اضافہ ہوا۔

☆ اس مسلم اقتدار میں عیاشی، بے حیائی، شراب نوشی کی چونکہ مذہبی طور پر ممانعت تھی لہٰذا اُمت مسلم کے ذہین عناصر ایک صحتمند سوچ اور مثبت اندازِفکر کے ساتھ تحقیق وجستجو کے میدان میں

لگ گئے۔

☆ غیر مسلم دنیا سے تجارتی تعلقات اور تجارت کا عالمی مرکز بغداد ہونے کی وجہ سے مسلمان اہل علم کے رابطے پوری دنیا سے ہوگئے۔ نیز دوسرے علاقوں کی علمی اور فنی ترقیوں سے استفادے کے مواقع بھی میسّر آتے رہے۔

اس دور میں اہل یونان میں خود تو کوئی طاقت نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کے اندر اپنے نظریات کو فروغ دیتے مگر جیسا کہ حقیقت ہے اور ہم پہلے بھی درج کر آئے ہیں بنی اسرائیل نے اپنے مذہبی خیالات ورجحانات کو حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے سامنے بے اثر پایا اور مدینے سے اپنی بے عہدیوں، سازشوں، بے وفائیوں کی پاداش میں ذلت وخواری کے ساتھ نکالے گئے تو اس گروہ نے مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کو پھیلانے کی مذموم کوشش کی اور یونانی فلسفہ کی کتب کے عربی تراجم کرا کے مسلمانوں میں فکری انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسلامی عقائد کے میدان میں بے بنیاد افلاطونی نظریات اور یونانی منطق کی تشہیر کی۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات کے چشمہ صافی اور 'آبِ حیات' کے سامنے ان ملحدانہ ناپاک نظریات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مگر بنی اسرائیل کی سازشوں سے فلسفیانہ اور منطقی موشگافیوں کا ایک باب کھل گیا۔ مجموعی طور پر قرآنِ مجید کی محکم اور فطری تعلیمات کے علمبرداروں نے آگے بڑھ کر دفاع کیا اور مسلمان سائنسی ترقی کے جلو میں دشمنوں کے اس نظریاتی وار سے محفوظ رہ گئے۔

مسلم دورِ اقتدار کے اس پانچ صدسالہ عرصے میں بغداد میں سائنسی، فنی، صنعتی ایجادات میں کتنی ترقی ہوئی اس کے لئے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور یورپ کی لائبریریوں میں مسلم سائنسدانوں کی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں اور اہم سائنسی شعبہ جات میں مسلم سائنسدانوں کے نام ہی کافی ہیں۔

اس دور میں ہونے والی ایجادات کی فہرست آئندہ شمارے میں قارئین حکمت بالغہ کے لئے نقل کریں گے۔ مغربی اداروں ہی کی بنائی اس فہرست پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسلم دورِ اقتدار 1492ء تک کی ایجادات کی تعداد، بعد کے یورپی دورِ ترقی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ ان شاءاللہ (جاری ہے)

# عمل پیہم کی تابناک مثال

## حیاتِ قاضی حسین احمد

انجینئر حافظ نوید احمد

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت 14 جنوری 2013ء)

قاضی حسین احمد m کی رحلت سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام ایک مخلص اور دردمند رہنما سے محروم ہوگیا ہے۔ اللہ اُن کی دینی مساعی کو نہ صرف شرفِ قبولیت عطا فرمائے بلکہ اُن کے حق میں صدقہ جاریہ بھی بنائے۔ آمین! صدقہ جاریہ اس طرح کہ ہمیں بھی اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انتہائی مایوس کن حالات میں بھی اُمید کی شمعیں روشن کرتے ہوئے دین کے لئے مسلسل اور انتھک محنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قاضی حسین احمد m کے محاسن بلاشبہ علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے کہ

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالمؔ
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

قاضی حسین احمدؒ نے جماعت اسلامی کے سیکرٹری کی ذمہ داری 1978ء میں سنبھالی۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں ایک فوجی انقلاب کے ذریعہ جنرل ضیاء الحق اقتدار پر قابض تھے۔ قاضی صاحب آمریت کے سخت دشمن تھے لیکن دیگر دینی حلقوں کی طرح جماعت اسلامی کو بھی جنرل ضیاء الحق سے حسن ظن تھا کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں۔ جماعت نے اسی لئے ضیاء الحق کے ساتھ تعاون علی البر کی پالیسی اختیار کی۔ قاضی صاحب اگرچہ ضیاء الحق سے کسی خیر کی

توقع نہیں رکھتے تھے لیکن اُنہوں نے جماعتی نظم کی پابندی کا مثالی مظاہرہ کیا اور کسی بھی موقع پر اپنا اختلاف رائے غیر متعلق فورم پر بیان نہ کیا۔

1979ء میں سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کر دیا اور اس برفانی ریچھ کے خلاف افغان عوام نے عظیم الشان جہاد شروع کر دیا۔ قاضی صاحب نے اس جہاد میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ اُن کے افغان جہادی رہنماؤں سے ذاتی مراسم تھے۔ وہ مسلسل اُن کی مدد کرتے رہے، اُنہیں باہم متحد ہونے کی تلقین کرتے رہے اور دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ بھی کرتے رہے۔

1987ء میں قاضی صاحب جماعت اسلامی کی امارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ موصوف نے ذمہ داری سنبھالتے ہی جماعت اسلامی کے کارکنوں خصوصاً نوجوانوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا کر دیا۔ کاروانِ دعوت ومحبت کے ذریعہ پورے ملک میں ایک تحریکی ارتعاش پیدا کیا اور جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف خم ٹھوک کر میدان میں آ گئے۔ جنرل ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دورِ آمریت کے بعد بدقسمتی سے پاکستان پر نام نہاد جمہوریت کے پردہ میں گیارہ سالہ دور بدعنوانی اور لوٹ مار کا راج ہو گیا۔ اس پورے عرصہ میں قاضی صاحب نام نہاد جمہوری حکمرانوں کی عیاشیوں کے پول کھولتے رہے اور انتخابات کے مایوس کن نتائج کے باوجود جماعت اسلامی کے کارکنوں میں جہد مسلسل کا جذبہ برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

1989ء میں افغانستان میں سوویت یونین کی شکست اور پھر اُس کے حصے بخرے ہونے کے بعد عالم اسلام کو ایک نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکی دانشور ایک طرف تو "END OF HISTORY" نامی کتاب لکھ کر اشتراکی نظام کی ناکامی کو امریکہ میں رائج سرمایہ دارانہ نظام کی حقانیت کا ثبوت قرار دے رہے تھے اور دوسری طرف "CLASH OF CIVILIZATION" نامی کتاب کے ذریعے تہذیبوں کے درمیان جنگ کا شوشہ چھوڑ رہے تھے۔ اُن کے نزدیک مغربی تہذیب کے لئے اب حقیقی خطرہ اسلامی تہذیب ہے جس کی جڑیں پاکستان اور افغانستان میں انتہائی گہری ہیں۔ اُنہوں نے اسلامی تہذیب کو اندر سے کھوکھلا کرنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان مسلک کی بنیاد پر فرقہ وارانہ اور لسانی اختلافات کو ہوا دینی شروع کی۔ ایسے میں قاضی صاحب دشمن کی اس سازش کا توڑ کرنے میں سرگرم ہو گئے۔ اُنہوں نے مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام مسالک کی نمائندہ جماعتوں کو

قریب لانے کی کوشش کی اور ملی یکجہتی کونسل کے پلیٹ فارم پر تمام مسالک کے لوگوں کو متحد کرنے کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ بعدازاں متحدہ مجلس عمل (MMA) کے نام سے خالص دینی جماعتوں کا ایسا اتحاد قائم کیا جس میں بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث اور اہل تشیع کی نمائندہ جماعتیں شامل تھیں۔ 2002ء کے انتخابات میں اس اتحاد کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ البتہ چند افسوسناک تجربات کی وجہ سے یہ اتحاد قائم نہ رہ سکا جس کا قاضی صاحب کو شدید قلق رہا۔

2001ء میں امریکہ نے افغانستان پر سفاکانہ حملہ کیا اور قاضی صاحب امریکی جارحیت کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ افغانستان میں اللہ نے طالبان کی مدد کی اور امریکہ کو بدترین شکست کا سامنا ہوا۔ امریکہ نے بدلہ لینے کے لئے ایک بار پھر پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات برپا کرنے کی سازش شروع کر دی۔ قاضی صاحب نے ایک بار پھر تمام مسالک کی دینی جماعتوں کو ملی یکجہتی کونسل کے پلیٹ فارم پر متحد کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ وہ اس پلیٹ فارم سے مختلف کمیشنز بنا کر ملک میں مسلکی رواداری اور شریعت کے مطابق قانون سازی کے لئے ٹھوس اقدامات کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اللہ کرے یہ کام اُن کے بعد بھی صحیح خطوط پر جاری وساری رہے۔ آمین!

قاضی حسین احمد m صاحب انتہائی وجیہ، باوقار اور جلالی خدوخال کے حامل تھے اسلام دشمنوں کے خلاف اُن کا یہ رعب وجلال اور دبدبہ پوری طرح سے ظاہر ہوتا تھا۔ البتہ دینی قوتوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مسلک کی ہوں، ان کے مزاج کی نرمی اور شفقت اُن کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر ادا سے جھلکتی تھی۔ اُن کے مخالفین بھی اُن کی حق گوئی و بے باکی اور پاکیزہ کردار کا اعتراف کرتے تھے۔ سوات میں ملالہ ڈراما کے فریب کا پردہ اُنہوں نے بالکل پہلے ہی دن ایسی فضا میں چاک کیا جس میں میڈیا نے پورے ماحول کو ملالہ کی نام نہاد مظلومی سے مسحور کر رکھا تھا۔ قاضی حسین احمدؒ جیسی ہردلعزیز شخصیت قوموں کے لئے ایسا سرمایہ ہے جسے آسانی سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ قاضی صاحب زندگی بھر جہد مسلسل اور عمل پیہم کی مثال بنے رہے اور دل کے دو آپریشنوں اور دمہ کے تکلیف دہ مرض کی بھی پرواہ نہیں کی۔ دین کے لئے مسلسل محنت کرتے کرتے اچانک اُن کی روح 5 اور 6 جنوری کی درمیانی رات خالق حقیقی کی طرف پرواز کر گئی۔ اللہ اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور اُنہیں جنت میں بلند مقامات پر سرفراز فرمائے۔ اللہ اُن کے لواحقین کو خدمت دینی کی تسلسل کے ساتھ توفیق عطا فرما کر اُن کے لئے صدقہ جاریہ بننے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین!

# تبصرہ وتعارف کتب

## نعتیہ مجموعہ کلام عکس تمنا

حضرت مسرور کیفی

شائع کردہ: جہانِ نعت شاہراہِ مسجد حدیبیہ، گلشن حدید، فیز II، بن قاسم ٹاؤن، ضلع ملیر، کراچی

تبصرہ نگار: انجینئر مختار فاروقی

اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بعد انسان پر جتنے احسانات سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔ احسان فراموشی کا روگ لگ جائے تو اس کا کیا علاج۔ وگرنہ دورِ حاضر کی ابتلاؤں اور تقاضوں سے شرعِ پیغمبر ﷺ آشکارا ہونے کو ہے اور صرف مسلمان ہی کیا دنیا کی ہر قوم جلد ہی آنے والے دنوں میں پکارے گی کہ محمد ﷺ ہمارے ہیں۔

ان حالات میں حضرت محمد ﷺ کے دامن سے وابستہ رہنا، ان کی فرمانبرداری کرنا، ان سے اپنی نسبت کو باعث فخر سمجھنا اور برملا ہر محفل میں اس کا ذکر کرنا ہی ہم سب کے لیے باعث سعادت ہے اور آپ ﷺ کے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مظہر۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جو اپنے لیے بھی آپ ﷺ کے دامن رحمت کا سایہ تلاش کر لیتے ہیں اور باقی تڑپتی، سسکتی، تلملاتی، دکھیاری انسانیت کو اسی سایۂ عاطفت کی طرف بلاتے ہیں اور اس کے تذکرے کرتے رہتے ہیں۔

آپ ﷺ کا لایا ہوا دین، عدلِ اجتماعی کا مظہر ہے اور اس کی برکات سے خلافت راشدہ میں بھی انسانیت بلالحاظ مذہب، رنگ ونسب مستفیض ہوئی اور اب بھی آپ ﷺ کی ہی دی گئی بشارتوں کے مصداق جب یہ دین پھر دنیا پر غالب ہوگا (جس کی آج مغربی سامراج کے عذاب میں ماری انسانیت تلاش میں ہے) تو آپ ﷺ کی شانِ رحمت للعالمینی کا بچشم مشاہدہ کرے گی اور اس کی برکات سے بہرہ ور ہوگی۔ اس ضمن میں جو خوش نصیب آگے بڑھ کر کام کریں

گے ان کی کامیابی تو یقینی ہے۔ اگر کچھ نہیں کر پائے تو آپ ﷺ کی شان ہی بیان کرتے جانا راستہ روکنے اور کچھ نہ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ 'عکس تمنا' کی اشاعت اسی راہ پر چراغ روشن کرنے کی ایک سعی ہے تاکہ لوگ آگے بڑھ کر دین کا غلبہ کرنے کی سعی کرنے والوں کے قافلوں میں شامل ہوجاسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین، دین مصطفےٰ ﷺ کی دامے درمے سخنے، قلمے، دمانے اور قلبے خدمت کی توفیق بخشے، آمین۔

---

نام کتاب: **والد کا پیغام-اولاد کے نام**

مصنف کا نام: مولانا عبدالقیوم حقانی

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل (ڈپٹی چیف لائبریرین (ر) P.U، لاہور)

زیر تبصرہ کتاب علم وادب کا شہ پارہ ہے، نسل نو کی تمثیلی انداز میں رہنمائی وکمال کا مہ پارہ ہے، اخلاقی وروحانی تربیت کے بکھرے موتیوں کی مالا ہے اور اوراق پارینہ کی کھوئی داستانوں کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ تحریر دراصل ایک باپ کے سینے میں اپنی اولاد کے لیے محبتوں کا اظہار ہے۔ ان کے تابناک مستقبل کی نوید ہے۔ سیرت ساز رہنمائی ہے۔ ایک قلب حزیں کی کرب آور کسک جو کبھی شبنم کی طرح آنکھوں سے لہو بن کے ٹپکتی ہے تو کبھی سوز جگر بن کر جسم کے روؤں کو نمناک کر دیتی ہے۔۔۔ کارزار حیات کا ہر لمحہ، ہر آہٹ اور ہر سانس ایک نئی کائنات کو جنم دیا کرتی ہے۔ بصیرت افروز نگاہیں ان مظاہر فطرت کے مشاہدات کو قلم وقرطاس کی پہنائیوں میں اپنی آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کرلیا کرتی ہیں تاکہ وہ خود اختیاری، خود کفالتی، زیست کا راستہ اپنا سکیں۔

تبصرہ نگار کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ اولاد کو سات سال کی عمر سے ہی اس طرز حیات پر گامزن کر دینا ماں باپ کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ جوانی کے ایام میں قدم رکھتے ہی تہذیبی اوصاف کے نہ صرف حامل ہوسکیں بلکہ دوسروں کی رہنمائی کا بھی فریضہ انجام دے سکیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی یہ تازہ ترین قلمی کاوش نہ صرف ہر گھر کی ضرورت ہے اسے تعلیمی نصاب میں بھی جگہ دی جانی چاہیے تاکہ معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ ساتھ نونہال وطن بھی مستفید ہوسکیں۔

## قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ اُعْطِیَ اَرْبَعًا لَمْ یُحْرَمْ مِنْ أَرْبَعٍ:

❁ مَنْ اُعْطِیَ الدُّعَاءَ لُمْ یُحْرَمِ الْاِجَابَةَ

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: ﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

❁ وَ مَنْ اُعْطِیَ الشُّكْرَ لَمْ یُحْرَمِ الزِّیَادَةَ

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾

❁ وَ مَنْ اُعْطِیَ الْاِسْتِغْفَارَ لَمْ یُحْرَمِ الْمَغْفَرَةَ

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: ﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾

❁ وَ مَنْ اُعْطِیَ التَّوْبَةَ لَمْ یُحْرَمِ الْقَبُوْلَ

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾

**( اخرجه البیهقی فی شعب الایمان عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه )**

جس شخص کو چار چیزیں عطا ہو جائیں اسے (مزید) چار چیزوں سے محروم نہیں کیا جاتا:

1۔ جس کو دعا مانگنے کی توفیق مل جائے اسے دعا کی قبولیت سے محروم نہیں کیا جاتا
کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

2۔ جس کو شکر کی توفیق مل جائے اس مزید انعام سے محروم نہیں کیا جاتا
کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔''

3۔ جس کو استغفار کی توفیق مل جائے اُسے مغفرت سے محروم نہیں کیا جاتا
کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''تم اپنے ربّ سے بخشش مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔''

4۔ جس کو توبہ کی توفیق مل جائے اُسے قبولیتِ توبہ سے محروم نہیں کیا جاتا
کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

☆ ذوالقرنین کون تھا؟

☆ یاجوج ماجوج کون ہیں؟

☆ ذوالقرنین کی تعمیر کردہ سدذوالقرنین کب تعمیر ہوئی؟

☆ سدذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

☆ سدذوالقرنین کا ختم نبوت سے کیا تعلق ہے؟

☆ کون سی قوم یاجوج ماجوج سے روابط رکھتی رہی ہے؟

یہ اور اس طرح کے دیگر چبھتے سوالات کے جوابات کے ساتھ

ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت ستمبر 2012ء

# یاجوج ماجوج؟

مع اضافہ جات

شائع ہوچکی ہے

صفحات 200 سے زائد۔ قیمت 220 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیرانتظام انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7628561

دورِ صحابہ j کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے وفات پا جانے والی

# 21 نامور اسلامی انقلابی شخصیات

پر مئی 2006ء سے مارچ 2008ء تک قرآن اکیڈمی جھنگ میں ماہانہ سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں۔ بعد ازاں حکمت بالغہ میں جون 2008ء سے نومبر 2010ء تک ان سیمیناروں کی تفصیلی روداد شائع ہوتی رہی ہے

**اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** اب یہ کتابی شکل میں

حصہ اوّل حصہ دوم حصہ سوم

تین حصوں میں شائع کرنے کا

اہتمام کیا گیا ہے

حصہ اوّل شائع ہو چکا ہے

صفحات 104، قیمت 120 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیرِ انتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861